سونے کی مورتی

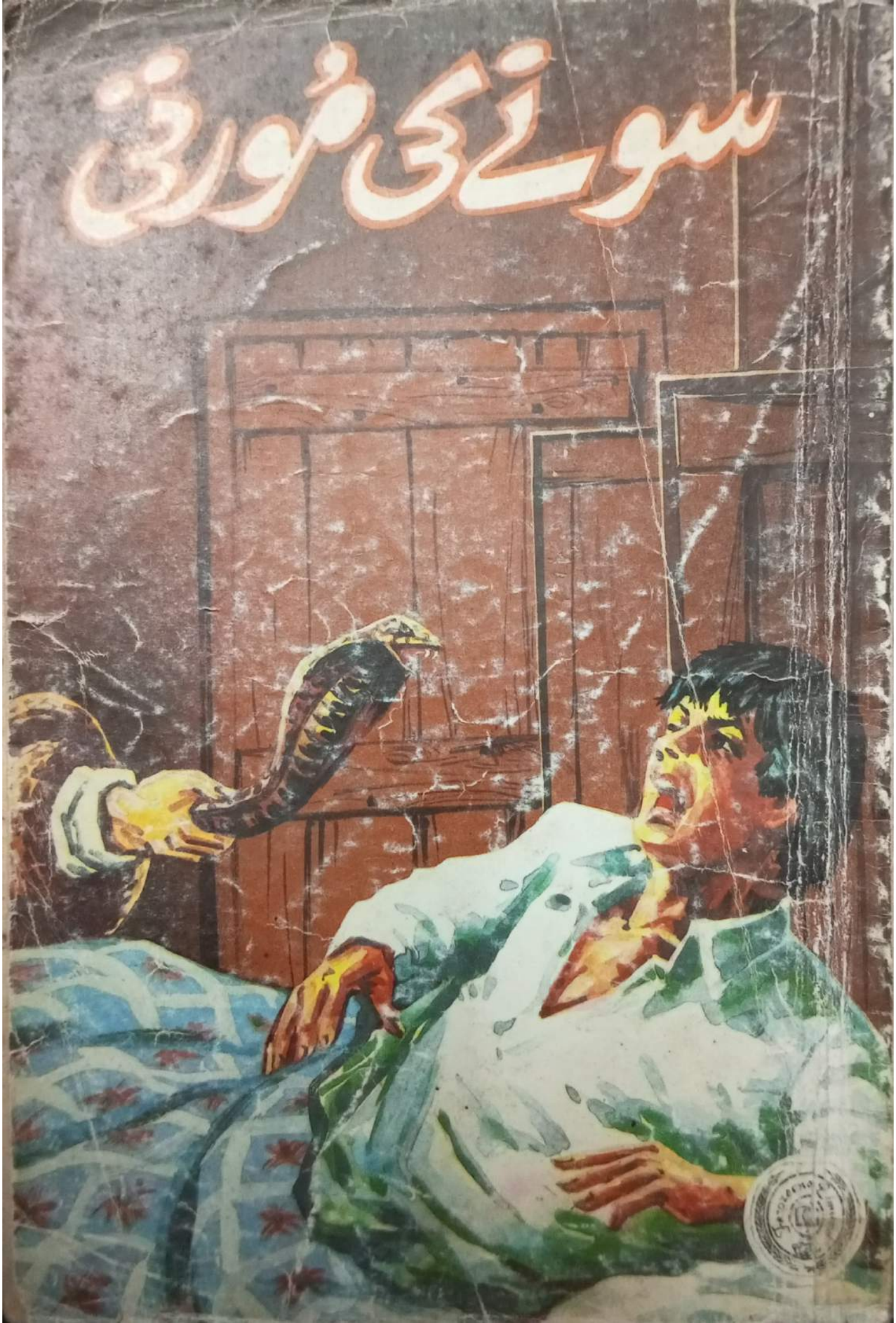

عامر اور عمّار کے کارنامے

سونے کی مُورتی

بچّوں کے لیے ناول

بابر لائبریری
محلہ جہانگیر آباد
0322-1274463

مقصود ایاز

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

0322-[illegible]4883

پُراسرار چوری

خُفیہ پولیس کے ڈی ایس پی شہاب زیدی پاکستان کے اُن قابلِ فخر فرزندوں میں سے ہیں جن کی صلاحیتوں کا لوہا نہ صرف پاکستان بلکہ دُنیا کے بہت سے مُلک مانتے ہیں۔ اُنھوں نے سُراغ رسانی کی تعلیم انگلستان کے مشہور اِدارے سکاٹ لینڈ یارڈ سے حاصل کی تھی جو سُراغ رسانی کے لیے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہُوئے انھیں انگلستان میں اعلیٰ ملازمت کی پیش کش کی گئی لیکن وہ پاکستان کی محبت اور اپنی قوم کی خدمت کے پیشِ نظر اُسے ٹھکرا کر پاکستان چلے آئے اور یہاں کراچی میں اُنھیں خُفیہ پولیس کے ڈی ایس پی کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

اِن کے بیٹے عامر اور عمار تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے والِد کا ہاتھ بھی بٹاتے ہیں اور اب تک کئی خطرناک مجرموں کو پکڑ کر قانون کے حوالے کر چکے ہیں۔ شہاب صاحب نہ صرف چھوٹے موٹے کیس بلکہ کئی بڑے اور مُشکل کیس بھی اُن کے سُپرد کر دیتے ہیں اور دونوں بھائی اپنے والِد کے

نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُن کا نام روشن کر رہے ہیں۔

آج کل گرمیوں کی چھٹّیاں ہونے کے سبب سکول بند ہیں، اور دونوں بھائیوں نے اپنے والد کے ساتھ کسی پہاڑی مقام پر چھٹیاں گزارنے کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن عین وقت پر اقوامِ مُتّحدہ نے حکومتِ پاکستان سے زیدی صاحب کی خدمات حاصل کر لیں۔ دراصل اقوامِ مُتّحدہ کے ایک رُکن ملک نے اپنے ملک میں بغاوت کی سازش کو کُچلنے کے لیے اِس عالمی ادارے سے درخواست کی تھی، اور شہاب صاحب کو بحیرۂ احمر کے کنارے واقع ایک جزیرے روباسہ روانہ کر دیا گیا تھا جو باغیوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ایک قریبی جزیرے مل بن کی حکومت باغیوں کی مدد کر رہی تھی اور اسی جزیرے کے راستے اسلحہ روباسہ کے باغیوں کے پاس پہنچ رہا تھا۔

اب عامر اور عمّار یہ چھٹّیاں کراچی میں ہاکی کی پریکٹس کر کے گزار رہے تھے، اور کئی دنوں سے باپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے، جنھوں نے کراچی سے روانہ ہونے کے بعد سے اب تک اپنے گھر کوئی اِطّلاع نہیں دی تھی۔ ان کی پھوپھی منصُورہ اور والِدہ بھی پریشان تھیں۔ چوں کہ اِن کی والِدہ اکثر بیمار رہتی تھیں اس لیے اُنھوں نے گھر کا انچارج اپنی نند منصُورہ کو ہی بنا رکھا تھا۔ نند اور بھاوج

میں بھی بہت محبّت تھی اور اس لحاظ سے یہ گھر جنّت بنا ہوا تھا۔ جس گھر میں اتّفاق اور محبّت ہو وہ جنّت ہی تو ہوتا ہے۔

عامر اور عمّار اپنی کوٹھی کے لان میں اپنے دوستوں نصیر اور عرفان کے ساتھ ہاکی کی پریکٹس کر رہے تھے کہ اچانک کھڑکی سے اُن کی پھوپھی نے پُکارتے ہوئے کہا:

"بیٹے عامر..... عمّار..... جلدی آؤ۔ تمھارے ابّو کی ٹرنک کال ہے۔"

باپ کی کال کا سُنتے ہی دونوں بھائی ٹی وی لاؤنج کی طرف بھاگے اور پھر جلدی سے عامر نے ریسیور اُٹھا کر کہا:

"ہیلو! ... ابّو! ... میں عامر بول رہا ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟ آپ نے کوئی اِطلاع ہی نہیں دی۔ امّی اور پھوپھی جان بھی فکرمند ہیں۔"

دوسری طرف سے شہاب زیدی نے اپنی گرج دار آواز میں جواب دیا "میں خُدا کے فضل سے خیریت سے ہوں اور آج کل روباسہ میں مُقیم ہوں۔ اقوامِ مُتّحِدہ کی طرف سے مجھے ایک خاص کیس کے سلسلے میں یہاں بھیجا گیا ہے۔"

شہاب صاحب بات کرتے کرتے رُکے ہی تھے کہ عامر نے کہا "ابّو، ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں۔ بیکار بیٹھے بیٹھے بور ہو رہے ہیں۔"

شہاب زیدی نے جواب دیا" مجھے اِحساس ہے۔اسی لیے تمھیں فون کیا ہے۔ غور سے سُنو۔کولمبو کے عجائب گھر کے مُنتظِم مسٹر سدھارت انگلستان میں میرے کلاس فیلو رہے ہیں۔تمھیں پتا ہے کہ کولمبو سری لنکا کا دارُالحکومت ہے۔اُنھوں نے ابھی مجھے فون پر اِطلاع دی ہے کہ اُن کے عجائب گھر میں موجُود مہاتما بدھ کی پانچ سونے کی مُورتیاں چوری ہو گئی ہیں اور سری لنکا کی پولیس اُن کا سُراغ لگانے میں ناکام رہی ہے۔ آخر ہر طرف سے مایُوس ہو کر سدھارت نے سری لنکا کی حکومت کی معرفت پاکستان سے مجھے بھیجنے کی درخواست کی۔ لیکن چُوں کہ مجھے اقوامِ مُتحِدہ کی طرف سے ایک خاص مِشن سپُرد کیا گیا ہے، لہٰذا میں نے یہاں موجُود پاکستان کے سفیر کو رائے دی ہے کہ میری بجائے تم دونوں کو اِس چوری کا سُراغ لگانے کے لیے سری لنکا بھیج دیا جائے۔ میرا خیال ہے جلدی ہی پاکستانی حُکّام کی طرف سے تمھیں سری لنکا بھیج دیا جائے گا۔

" دیٹ از گُڈ، ابُّو! یہ سفر ہمارے لیے بہترین تفریح کا باعث ہوگا اور ہم اِن شاءَ اللہ چوروں سے مُورتیاں برآمد کر کے آپ کا اور اپنے ملک کا نام روشن کریں گے،" عامر نے کہا۔

"شاباش، بیٹا! مجھے تم سے یہی اُمید تھی" شہاب صاحب نے جواب دیا۔ اچھا تو اب خداحافظ۔ میں تم دونوں کی کامیابی کے لیے دُعاگو ہُوں"۔

ریسیور رکھتے ہی عامر نے خوش ہوکر عمّار کی طرف دیکھا جو اپنا کان ریسیور کے ساتھ لگائے باپ کی گفتگو سُن رہا تھا۔

22-7

کولمبو کا عجائب گھر

تین دن بعد وہ سری لنکا کے دارُالحکومت کولمبو کے ایئرپورٹ پر اُترے تو ایک کار اُن کی مُنتظر تھی، جس میں اُنھیں عجائب گھر کی وسیع عمارت تک پہنچا دیا گیا۔ عجائب گھر کے مُنتظِم مسٹر سدھارت اپنے دفتر میں بڑی بےچینی سے اِنتظار کر رہے تھے۔ اُنھوں نے اپنا تعارُف کراتے ہُوئے کہا:

"مجھے سدھارت کہتے ہیں اور میں ہی اِس عجائب گھر کا انچارج ہوں۔ تمھارے والِد میرے بہترین دوستوں میں سے ہیں۔ مجھے تم دونوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی"۔

"ہمیں بھی آپ سے مِل کر بہت خوشی ہوئی۔ میرا نام

عامر ہے اور یہ میرا چھوٹا بھائی عمّار ہے " عامر نے جواب دیا۔
"بیٹے، کوئی ٹھنڈا یا گرم، جو تم دونوں پسند کرو ....؟" سدھارت نے کہا۔

عامر نے نرمی سے جواب دیا " شکریہ، انکل۔ ہم کام کے وقت صرف کام کرتے ہیں۔ اُس وقت ہمیں بھوک اور پیاس کا کوئی اِحساس نہیں ہوتا۔"

"گڈ! تمھارے ڈیڈی کی بھی یہی عادت ہے" سدھارت نے کہا، اور پھر اُنھیں چوری کے متعلق بتاتے ہوئے بولا "سب سے پہلے اِس البم میں چوری ہونے والی مُورتیوں کے فوٹو دیکھو۔ یہ پانچ مُورتیاں ایک ہی رات میں چوری ہوئی ہیں۔"

"آپ کے عجائب گھر میں کوئی ایسا الارم موجود نہیں جو چور کی آمد پر اِنتظامیہ کو مُطلّع کر سکے؟" عامر نے سدھارت سے سوال کیا۔

"ہے کیوں نہیں۔ لیکن شاید چور نے اسے پہلے ہی ڈِس کنکٹ کر دیا تھا۔ اسی لیے چوکیدار خطرے سے آگاہ نہ ہو سکا" سدھارت نے جواب دیا۔

"اِس کا مطلب یہ ہے کہ چور کو اس الارم کے متعلق عِلم تھا اور یہی چیز صاف ظاہر کر رہی ہے کہ چور باہر کا نہیں بلکہ اسٹاف کا ہی کوئی آدمی ہے" عمّار نے کہا۔

سدھارت نے عمار کی ذہانت کی تعریف کی اور پھر بولا "تم نے بھی وہی سوچا جو میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔ اِس واقعے کے بعد میں نے الارم کا سسٹم خفیہ کر دیا ہے۔ اب اس کنکشن کے متعلق سوائے میرے، کسی کو بھی علم نہیں۔ لیکن یہ کام چوری کے بعد ہُوا ہے۔ اِس لیے بقول کسی عقل مند کے "جو مُکّا جنگ کے بعد یاد آئے، اُسے اپنے ہی مُنھ پہ مار لینا چاہیئے۔"

عامر نے سوال کیا "یہاں کی پولیس کا اِس چوری کے مُتعلق کیا خیال ہے؟

"مکھڑی کے جالے کی طرح اُن کی تفتیش پھیلتی جا رہی ہے۔ اُنھوں نے تو یہاں کے اِسٹاف کو بریُ الذِمہ قرار دیا ہے۔ بہتر ہے تم اپنے طور پر اس کیس کو حل کرنے کی کوشش کرو۔"

"تو پھر سب سے پہلے اُس چوکیدار کو طلب کریں جو اُس رات ڈیوٹی پر موجود تھا" عمّار نے کہا۔

سدھارت نے اِنٹرکام پر کسی سے کہا "احمد خفّاش کو میرے دفتر میں بھیج دو۔"

پھر اُس نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرا اور اُسے سُلگا کر مُنھ سے دُھواں خارِج کرنے لگا۔ اُسی وقت ایک

ناٹے قد اور کالے رنگ کا نوجوان اندر داخل ہُوا ۔ کسرتی جسم ہونے کے باوجود وہ کانپ رہا تھا۔ اُس نے مُردہ سی آواز میں کہنا شروع کیا:

"اُس رات میں تنہا ڈیوٹی پر تھا۔ نہ تو میں نے کوئی آہٹ سُنی اور نہ الارم کی آواز۔ رات کے آخری پہر میں نے اِن پانچوں مُورتیوں کو وہاں موجُود پایا جو صُبح کے وقت وہاں سے غائب تھیں۔"

سدھارت نے وضاحت کرتے ہُوئے بتایا "دراصل اُس روز رات کی ڈیوٹی والا دُوسرا چوکیدار بیمار تھا، اِس لیے خفّاش کو تنہا یہ ڈیوٹی انجام دینی پڑی اور شاید اِسی بات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے چور کو موقع مل گیا ۔ پولیس نے بھی اسے بے گُناہ سمجھتے ہُوئے نظر انداز کر دیا ہے۔"

خفّاش کے جانے کے بعد سدھارت نے عامر کو بتایا۔

اُسی وقت در و دیوار الارم کی آواز سے گُونج اُٹھے اور ایک چھوٹا سا سُرخ بلب فون کے قریب رکھے ہُوئے ٹیبل لیمپ میں اسپارک کرنے لگا۔ سدھارت نے حیرت سے کہا:

"میرا خُفیہ الارم بج رہا ہے! اس کا مطلب یہ ہے

کہ کوئی دوبارہ اُسی کمرے میں چوری کی نیّت سے گیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بھاگتا ہُوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ عامر اور عمّار نے اُس کا تعاقُب کیا اور پھر تینوں آگے پیچھے بھاگتے ہُوئے اُس ہال میں داخل ہُوئے جہاں آثارِ قدیمہ کی نہایت قیمتی نادِر چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے حیرت سے خفّاش کو دیکھا جو ایک دیوار کے پاس کھڑا تھا، اُس کے ہاتھ میں ہیروں کے دستے والا ایک خنجر تھا جو کسی پُرانے زمانے کے کسی راجا کا ہوگا اور جو اُس دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے پر عجیب وغریب تأثّرات تھے۔ سدھارت نے اندر داخل ہوتے ہی سختی کے ساتھ پُوچھا:

"تُم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمھاری ڈیوٹی تو کمرے کے باہر ہے، اندر نہیں۔ اور تُمھارے ہاتھ میں یہ خنجر دیکھ کر میں کیا سمجھوں؟"

خفّاش نے بڑی نرمی کے ساتھ جواب دیا "جی بات دراصل یہ ہے کہ جس کھُونٹی کے ساتھ یہ خنجر دیوار میں فِٹ کیا گیا تھا، وہ ڈھیلی ہوگئی ہے۔ میں اِس کھُونٹی کو ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہنے کے بعد خفّاش نے دوبارہ خنجر کو اُس کی جگہ پر

رکھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

"میرا خیال ہے، اِسے الارم کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ آج سے پہلے یہ کبھی اِس کمرے کے اندر نہیں گیا" سدھارت نے کہا۔

عمّار نے دیوار کے پاس جا کر اُس کھونٹی کا مُعاینہ کیا جو بقول خفّاش ڈھیلی ہو چکی تھی۔ لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کھونٹی ٹھیک حالت میں تھی۔ اُس نے کہا:

"میری رائے یہ ہے کہ مسٹر احمد خفّاش نے کسی ذاتی ضرورت کے لیے اِسے دیوار سے اُتارا تھا۔ اور اگر اُس نے چوری کے ارادے سے ایسا کیا ہے تو اُس سے بڑا بدنصیب کوئی نہیں۔"

سدھارت نے پسینے سے بھرے ہُوئے ہاتھوں کو رُومال سے صاف کرتے ہُوئے جواب دیا "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اب ہم دفتر چل کر بیٹھیں؟ مجھے اپنے دونوں اسسٹنٹوں کا انتظار ہے۔ ایک کا نام جون ہے اور دُوسرے کا جمال انور۔ جمال انور خفّاش کا ہم وطن ہے۔ دونوں مصر کے باشندے ہیں۔"

اس کے بعد ہی وہ اپنے دفتر میں چلا گیا اور انٹرکام

پر اپنے دونوں نائبوں کے متعلق دریافت کیا۔ اُسے پتا چلا کہ وہ دونوں مصر جانے والے جہاز میں سامان کی بکنگ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کارگو آفس گئے ہوئے ہیں۔

"اُن کو آ جانے دو۔ میں تمھیں ایک عجیب و غریب چیز دکھاتا ہوں" سدھارت نے عامر اور عمّار سے کہا۔

"آخر ایسی کون سی چیز ہے؟" عمّار نے سوال کیا۔

"دو ہزار سال پُرانی ایک قدِ آدم سونے کی مورتی جس میں مہاتما بدھ کھڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایک قدیم بدھ مندر سے چوری ہوگئی تھی۔ لیکن چند روز بعد چور خود ہی اُسے واپس لوٹا گئے تھے" سدھارت نے جواب دیا۔

"آخر کیوں؟" عامر نے سوال کیا۔

"شاید تم یقین نہ کرو۔ اُن چوروں کا بیان تھا کہ اِس مورتی نے ہمیں حکم دیا تھا کہ مجھے فوری طور پر اپنی جگہ رکھ آؤ ورنہ تم میرے اِنتقام کا نشانہ بن جاؤ گے۔"

"ممکن ہے یہ ٹھیک ہو، لیکن ہم اِن باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ مورتی پتھر کی ہو یا سونے کی، وہ بے جان اور بے ضرر ہوتی ہے۔ جو چیز چُرائی جا سکتی ہے، وہ اِنتقام

کیسے لے سکتی ہے۔ یہ ہوائی ضرور کسی مذہبی جنونی نے اڑائی ہے" عمار نے ہنس کر کہا۔

عامر نے لقمہ دیتے ہوئے کہا "ممکن ہے یہ بدھ مذہب کے ماننے والوں کا پراپیگنڈا ہو"

سدھارت موضوع بدل کر بولا "وہ دونوں اس مورتی کو لے کر مصر جا رہے ہیں"

"بھلا فرعونوں کی اس سرزمین میں، مورتیوں کی کوئی کمی ہے کہ ان میں ایک اور کا اضافہ کیا جا رہا ہے؟" عمار بولا۔

سدھارت نے ذرا کھسیانے پن سے جواب دیا" ایک تو خود اس مورتی کی خواہش تھی کہ اسے فرعونوں کے ساتھ قاہرہ کے عجائب گھر کی زینت بنایا جائے، کیوں کہ بقول مورتی یا چوروں کے، مہاتما بدھ کی اس مورتی نے ان سے کہا تھا کہ ـــــ میں نے دکھی انسانوں کی خدمت کے لیے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا تھا۔ لیکن مرنے کے بعد مجھے ابدی بادشاہت عطا کر دی گئی ہے۔ اس لیے میری مورتی دنیا کے عظیم بادشاہوں ـــــ فرعونوں ـــــ کی ممیوں کے ساتھ رکھی جائے۔ چنانچہ مصر کی حکومت نے ایک کثیر رقم کے عوض اس مورتی کو خرید لیا ہے، اور سری لنکا

کی حکومت نے میرے محکمے سے کہا ہے کہ اِسے حفاظت سے قاہرہ کے عجائب گھر پہنچا دوں تاکہ وہ اِسے فرعونوں کی ممیوں کے ساتھ رکھ دیں۔"

"خیر، ہمیں اِس سے کیا مطلب۔ ہم تو یہاں چوری شُدہ مُورتیاں برآمد کرانے آئے ہیں۔ لیکن اب اِس مُورتی کو ضرور دیکھیں گے جو بولتی بھی ہے اور اپنی خواہشات کا اِظہار بھی کرتی ہے"، عامر نے کہا۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم آپ کے نائبوں کے آنے سے پہلے ہی اِس مُورتی کا دیدار کرلیں؟" عمار نے طنز سے کہا۔

اِس کے طنز کو محسوس کرتے ہوئے سدھارت نے جواب دیا "بیٹے، مسلمان ہونے کی وجہ سے تمھارا ایمان مُورتی پر نہیں۔ لیکن ہم لوگ اِس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے رُوحانی پیشوا سدھارت یعنی مہاتما بُدھ کو یہ قُدرت حاصل تھی اور ہزاروں سال گزرنے کے بعد اب بھی ہے کہ وہ اپنی رُوح جس چیز میں چاہے، داخل کر سکتا ہے۔ اس کے مُنھ سے نکلے ہوئے الفاظ، خواہ وُہ اُس کی مُورتی کے ہونٹوں ہی سے ادا کیے گئے ہوں، پتھر کی لکیر ہوتے ہیں۔ تمھیں ابھی اِس کا تجربہ نہیں ہے۔ بہرحال،

اب آؤ ۔ میں تم دونوں کو وہ مُورتی دکھاتا ہُوں۔"

عجیب بات!

وہ ایک بڑی سی راہ داری سے گزرنے کے بعد سیڑھیاں اُتر کر ایک تہ خانے میں چلے گئے جس کے باہر پہرا تھا۔ تہ خانے میں روشنی کا مکمّل انتظام تھا۔یہاں سے تینوں ایک سنگِ مَرمَر کے بنے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے، جہاں سے لوبان کی خُوش بُو آ رہی تھی۔کمرے کے درمیان میں ایک چبُوترے پر مہاتما بدُھ کی ایک مُورتی کھڑی تھی جس کے چہرے پر جلال اور آنکھوں میں چمک تھی۔

سدھارت نے جُھک کر مُورتی کو تعظیم دی کیوں کہ اُس کا تعلّق بُدھ مذہب سے تھا، اور پھر عامِر اور عمّار سے کہا "یہ ہے، مہاتما بُدھ کی وہ مُورتی!"

عامر اور عمّار نے مُورتی کے چاروں طرف گھوم کر اُس کا مُعاینہ کیا۔ پھر اُسے چھُو کر دیکھا۔ وہ ٹھوس سونے کی بنی ہوئی تھی۔

اس کے بعد دونوں سدھارت کے ہمراہ واپس دفتر میں آ گئے، جہاں دو نوجوان سدھارت کے منتظر تھے۔ اُن میں سے ایک تو لمبا، دُبلا پتلا، سانولے رنگ کا تھا اور دوسرا اسڈول جسم اور سفید رنگ کا ذرا بھاری سا۔ سدھارت نے ان دونوں کا تعارُف کرواتے ہوئے کہا:

"یہ ہیں میرے نائب جمال انور۔ ان کا تعلق مصر سے ہے۔ اور یہ ہیں جون، کرسچین ہیں اور یہاں کے مقامی باشندے بھی۔" عامر اور عمّار نے باری باری دونوں سے ہاتھ ملائے اور خوشی اور مسرّت کا اِظہار کیا۔

"ہم نے ایک بحری جہاز میں مورتی کے لیے بکنگ کروا دی ہے" جون نے کہا۔

سدھارت اپنا پائپ جلاتے ہُوئے بولا "گُڈ! یہ تو بہُت اچھّا ہُوا۔"

جون نے کہا "میں نے مورتی کے لیے ایک لکڑی کی پیٹی بنوائی ہے جس کے اُوپر حفاظت کے خیال سے تانبے کے پترے جڑ دیے جائیں گے تاکہ اُسے آسانی سے کھولا نہ جا سکے۔"

"یہ تو بہُت ہی اچھّی بات ہے۔ حکومت کی طرف سے آرڈر ہوا ہے کہ اِس مُورتی کو قاہرہ پہنچانے

کا کام جمال انور کے سپرد کیا جائے - اِس لیے کہ یہ مصر کے رہنے والے ہیں اور سمندری راستوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں - مسٹر جمال انور، مصر جانے کی تیّاری کرو اور مسٹر جون، تم نے جیسا کہا ہے، مُورتی کی پیکنگ کا کام انجام دو - مجھے فوری طور پر سرکاری کام سے ترکی جانا ہے - اس لیے اب یہ تمُ دونوں کی ڈیوٹی ہے - عامر اور عمّار کو بھی مُورتیوں کی چوری کے سلسلے میں تمھاری مدد کی ضرورت پڑے گی "

اس کے بعد سدھارت رخصت ہو گیا، جون بھی ایک ضروری فون کرنے چلا گیا، اور کمرے میں عامر، عمّار اور جمال انور ہی رہ گئے -

"میرا خیال ہے، چوری کے سِلسِلے میں سب سے پہلے خفاش کو گرفتار کرنا چاہیئے - وہی چور ہو سکتا ہے" جمال انور بولا -

"میرے دوست، یہ ممکن نہیں - اس لیے کہ ہمارے پاس اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے - حالاں کہ ہم نے ایک بار شاہی خنجر کو اُس کے ہاتھ میں دیکھا بھی ہے پھر بھی ہم اُسے چور ثابت نہیں کر سکتے" عامر نے کہا -

"اگر واقعی وہ چور ہے تو اُسے دوبارہ چوری کرنے

0322-7774483

کا موقع دینا چاہیئے،، عمّار بولا۔

اُسی وقت جون اندر داخل ہُوا اور بولا ،،میں نے مُورتی کی پیکنگ کا اِنتظام کر دیا ہے۔ تم جانے کی تیّاری کرو،،

،،میرے بھائی، جو مُورتی اپنے خیالات کا اِظہار کر سکتی ہے، اُسے تو جہاز کی بجائے خود پرواز کر جانا چاہیے،، عمّار بولا۔

،،آپ کو مُورتی کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں،، جون نے تشویش کے انداز میں کہا ،،آپ اِس کی تاریخ سے واقِف نہیں۔ اب تک کئی لوگ اِس کے اِنتقام کا نشانہ بن چکے ہیں۔،،

،،مسٹر جون، آپ فِکر نہ کریں۔ یہ مُورتی ہمیں کوئی نُقصان نہیں پہنچا سکتی،، عمّار نے کہا۔

،،خیر،، جون نے ناگواری سے جواب دیا ،،میں اِس سِلسِلے میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ صرف اتنا کہنا ہی مُناسب سمجھتا ہُوں کہ سری لنکا کے باشندوں کی اکثریّت بُدھ مذہب کے ماننے والوں کی ہے۔ وہ بُدھ کی مُورتی کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ دُوسرے، آپ کا تعلّق اِس مُورتی سے نہیں بلکہ چوری کی واردات سے ہے۔ اِس سلسلے میں آپ نے کیا کُچھ کیا ہے؟،،

،،فی الحال تو ہمارے سامنے صرف چوکیدار خفّاش ہی

ہے۔ لیکن اُس کے خلاف ابھی تک کوئی ثبوت نہیں مِل رہا۔ آپ کا اُس کے مُتعلّق کیا خیال ہے، مسٹر جون؟"

"میرا خیال ہے، ہمیں ایک کپ کافی پینا چاہیئے" جون نے جواب دیا۔

"ساتھ ساتھ تبادلۂ خیالات بھی ہوتا رہے گا۔ آپ دونوں کا کیا خیال ہے؟"

عامِر نے جواب دیا "ہم دونوں کولڈ ڈرنک لینا پسند کریں گے۔ میں نے ہال میں کوک کی مشین لگی دیکھی ہے۔"

عامِر باہر گیا اور مشین سے دو کوک لے آیا۔ اُس نے ایک خود لیا اور دُوسرا بھائی کے حوالے کر دیا۔ اِسی دوران میں عجائب گھر کی باورچن ایلس مُسکراتی ہُوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے ٹرے اُٹھا رکھی تھی جس میں کافی کے دو کپ رکھے ہُوئے تھے۔ ایلس نے جون اور جمال انور کے آگے کپ رکھتے ہوئے عامِر اور عمّار کی طرف دیکھا اور کہا:

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"شکریہ" عمّار نے جواب دیا "کسی چیز کی ضرورت ہُوئی تو بُلا لیں گے۔"

ایلس مُسکراتی ہوئی چلی گئی اور کمرے کا دروازہ بند کر گئی۔

جون نے کافی کی چُسکی لیتے ہُوئے عامِر سے کہا "پولیس

یہاں کے اِسٹاف سے پُوچھ گچھ کر چکی ہے۔ اُن کا خیال ہے اسٹاف میں سے کوئی چور نہیں۔"

"حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کمرے کے باہر تالا لگا ہوا تھا۔ اندر جانے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ پھر بھی مُورتیاں غائب ہو گئیں،" جمال انور بولا اور جلدی جلدی کافی کے بڑے بڑے گھُونٹ لینے شروع کر دیے۔ جون نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا "ابھی تک پولیس کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔"

عامر ہنستے ہُوئے بولا "بھئی، آپ کی مُورتیاں بھی تو عجیب وغریب ہیں۔ ممکن ہے پانچوں مُورتیوں نے باہم مشورہ کیا ہو اور خود ہی کہیں غائب ہو گئی ہوں۔"

جون نے ناگواری سے کہا "آپ لوگ مُورتیوں کی مُسلسل توہین کر رہے ہیں۔ خُدا آپ لوگوں کو اِن کے اِنتقام سے محفوظ رکھے۔"

اُسی وقت اُنھوں نے جمال انور کے حلق سے عجیب آوازیں نکلتی سُنیں۔ دونوں نے حیرت سے جمال کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور اُبل کر حلقوں سے باہر آ رہی تھیں۔

"مسٹر جمال، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" عامر نے

گھبرا کر کہا۔ لیکن جمال نے کوئی جواب دینے کی بجائے زور سے چیخ ماری اور آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے عامر کا گلا پکڑ کر دبانے لگا۔

عامر اور عمّار نے بڑی مشکل سے اُسے پیچھے دھکیلا۔ اُس وقت اُس کا چہرہ بڑا ہی خوف ناک تھا۔ چند لمحوں بعد اُس نے عمّار پر حملہ کر دیا۔ لیکن عمّار کی مدد کو عامر موجود تھا۔ اُس نے جمال کو زور سے دھکّا دیا تو وہ قالین پر گر پڑا۔ عمّار نے جلدی جلدی اُسے قالین میں لپیٹ دیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اِس کے بعد اُن کی نظر جون پر پڑی۔ اُس کی آنکھیں بھی سُرخ ہو رہی تھیں اور وہ بڑی تکلیف کے انداز میں صوفے کی پُشت سے لگا بے حِس پڑا تھا۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں۔ عامر نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

"مسٹر جون.....! کیا ہُوا؟ آپ کی طبیعت ایک دم کیسے خراب ہو گئی؟"

عامر اور عمّار نے اُس کی ہتھیلیوں کی مالش کرنی شروع کر دی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اُس کو ہوش آگیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر دونوں بھائیوں کی طرف دیکھا اور پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کیا ہوا تھا؟ ایسا لگا جیسے کسی طاقت ور ہاتھ نے میرے جسم سے روح نکال لی ہو۔ لیکن پھر خود ہی دوبارہ جسم میں داخل کر دی ہو۔ مسٹر عامر، شاید آپ یقین نہ کریں، یہ ہاتھ اُسی مُورتی کا تھا جو مصر روانہ کی جا رہی ہے۔"

کوئی جواب دینے کی بجائے دونوں بھائی بے ہوش جمال انور پر جُھک گئے اور اُس کے سر کی مالش شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ آہستہ جمال نے آنکھیں کھول دیں اور اُن کو اپنے اُوپر جُھکے دیکھا تو نقاہت سے سوال کیا:

"یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

عمّار نے جواب دیا "آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ آپ نے کیا محسوس کیا تھا؟"

جمال نے کمزور سی آواز میں جواب دیا "کافی کا پیالہ ختم کرنے کے بعد مجھے ایسے لگا جیسے کسی نے تمام جسم کی نسیں کھینچ لی ہوں۔ مجھے اپنا کلیجا کٹتا ہوا محسوس ہوا۔"

عامر نے جمال کے کپ کو غور سے دیکھا۔ اُس کے کناروں پر سفید سی کوئی چیز لگی ہوئی تھی۔ اُس نے عمّار سے کہا۔

"یہ دیکھو! میرا خیال ہے، یہ سفید سی چیز جو کپ کے کناروں پر لگی ہے، ضرور کوئی زہر ہے۔"

جمال نے سرگوشی میں کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مجھے زہر دینے کی کوشش کی ہے۔"

"صرف تمھیں ہی نہیں، مجھے بھی" جون بولا۔

عامر نے کپ جمال کو دکھاتے ہوئے کہا "کناروں پر لگے اس زرد رنگ کے پاؤڈر کو دیکھیے۔"

جمال نے جوں ہی پاؤڈر کو دیکھا، فوراً بول پڑا "ارے! یہ تو ممی پاؤڈر ہے۔ یہاں کیسے آگیا؟"

"ممی پاؤڈر؟ وہ کیا ہوتا ہے؟" عامر نے سوال کیا۔

جمال نے جواب دیا "اِس قسم کا پاؤڈر مصر میں قدیم ممیوں کو کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ شاید ہماری لیبارٹری میں بھی موجود ہے۔"

جون نے کپ کو دیکھ کر اپنی رائے کا اِظہار کرتے ہوئے کہا "جمال کا خیال دُرست ہے۔ یہ واقعی ممی پاؤڈر ہے۔ اِسے مُعاینے کے لیے لیبارٹری میں بھیجنا چاہیئے۔"

عامر نے کہا "مسٹر جمال، آپ بھی ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں؟"

جمال نے جواب دیا "میرا سر چکرا رہا ہے۔ کمزوری بہت ہے۔ میرے لیے ممکن نہیں۔"

جمال کو کمرے میں چھوڑ کر عامر اور عمّار جون کے

ساتھ لیبارٹری کی طرف روانہ ہو گئے۔

ممی پاؤڈر

لیبارٹری انچارج نے کپ میں بچی ہوئی تھوڑی کافی شیشے کی ٹیوب میں نکالی ۔ اِس میں کوئی کیمیکل شامل کر کے گرم کیا اور پھر خُردبین سے مُعاینہ کرنے کے بعد کہا:

"اِس کافی میں ممی پاؤڈر کے عِلاوہ ایک نئی اِیجاد ہیلومین بھی شامل کی گئی ہے ۔ اِس کے مُتعلّق میں نے تمام اِسٹاف کو ہدایت کر رکھی ہے کہ اس سے دُور ہی رہیں ۔ اس کی زیادہ مقدار انسان کو باؤلے کُتّے کی طرح پاگل کر دیتی ہے ۔ یہ آپ کے خلاف کوئی سازش ہے جس کی آپ کو باقاعدہ رپورٹ کرنی چاہیئے۔"

"اب ہمیں باورچی خانے میں چلنا چاہیئے" جون نے کہا۔

باورچن ایلیس کھانا پکانے میں مصرُوف تھی۔ عامر نے اُس سے پُوچھا:

"وہ کافی کہاں ہے جو آپ نے جون اور جمال

کو دی تھی ؟"

"خیریت تو ہے ؟ یہ رہی کافی" ایلس نے کہا۔

عامر نے کافی کو غور سے دیکھ کر کہا "مس ایلس، کیا آپ کو علم ہے کہ جو کپ آپ نے تیار کیے، اُن میں ممی پاؤڈر اور ہیلومین شامل تھی ؟"

یہ سُنتے ہی ایلس بید مجنوں کی طرح کانپ اُٹھی۔ اُس نے رو دینے والے انداز میں کہا "او میرے خدا! مسٹر جون، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو زہر دے کر اپنا گلا قانون کی گرفت میں دے دوں گی ؟ آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے ؟"

"ایسی بات نہیں ہے، ایلس" جون نے جواب دیا۔ "تمھاری وفاداری مشکوک نہیں ہے۔ لیکن کیا کہا جائے، تمھارے بنائے ہوئے کپوں میں یہ زہر شامل تھا۔"

عمّار نے سوال کیا "مس ایلس، کافی بنانے کے فوراً بعد آپ دونوں کپ لے کر سیدھی اِس کمرے میں ہی آئی تھیں ؟"

ایلس نے جواب دیا "نہیں۔ میں نے چار کپ بنائے تھے۔ دو اِن لوگوں کے لیے اور دو دُوسرے ڈپارٹمنٹ کے لیے۔ میں پہلے دو کپ لے کر وہاں گئی اِس لیے

کہ اُن کا آرڈر پہلا تھا۔ واپس آنے کے بعد یہ کپ اُٹھائے اور آپ لوگوں کو دے دیے۔"

جون نے عامر اور عمّار کی طرف دیکھ کر کہا "میرا خیال ہے، پاؤڈر کسی نے اُس وقت شامل کیا جب ایلس دوسرے ڈپارٹمنٹ میں کافی دینے گئی تھی۔ ایلس، جب تک ہم اِس سازش کا پتا نہ چلا لیں، تمھیں اپنے ہونٹ بند رکھنے ہوں گے۔" پھر اُس نے جلدی سے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "ابھی مسٹر سدھارت کا جہاز جانے میں آدھ گھنٹا باقی ہے۔ مجھے فون پر اُن سے بات کرنی چاہیئے۔"

اُس نے جلدی سے دفتر میں آکر ہوائی اڈے فون کیا "مجھے مسٹر سدھارت سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ تکلیف کرکے فون دی آئی پی رُوم سے مِلا دیں۔"

چند سیکنڈ بعد سدھارت نے فون پر جون سے رابطہ قائم کیا تو اُس نے صُورتِ حال بتاتے ہوئے کہا "سر، اِس قسم کے حالات میں جمال کا مِصر جانا ممکن نہیں۔ ہمیں جلد ہی اُسے کسی ہسپتال میں داخل کروانا ہے۔ اُس کے جسم میں خطرناک زہر موجود ہے۔"

دُوسری طرف سے سدھارت نے جواب دیا "دیکھو

جون ، میرے بعد عجائب گھر تم دونوں کی نگرانی میں ہے۔ اب جب کہ جمال کی حالت خراب ہے ، میں تمھیں عجائب گھر کی نگرانی پہ مقرر کرتا ہُوں - ہو سکے تو مُورتی لے جانے کا کام اُن دونوں بھائیوں کے سپُرد کر دو - اُن کے تمام اِخراجات ہم برداشت کریں گے - میرا طیّارہ پرواز کے لیے تیار ہے۔ اب تم خود ہی تمام اِنتظامات کر لو - مجھے تم پہ مکمّل بھروسا ہے ۔"

آخر اِس شرط پہ دونوں بھائی مِصر جانے کے لیے رضا مند ہو گئے کہ اُن کی جگہ مُورتیوں کی چوری کا سُراغ لگانے کے لیے اُن کے والِد کے خاص شاگرد. فرید کمال کو سری لنکا بُلا لیا جائے - چُوں کہ بحری جہاز جانے میں دو دن کا عرصہ تھا، اِس لیے جون نے اِس شرط کو منظور کرتے ہُوئے کہا:

"آپ کا یہ کام میں کر دیتا ہُوں - آپ میرا ایک کام کر دیں ۔"

"آپ کا کیا کام ہے ؟" عامِر نے پُوچھا۔

"آج رات آپ دونوں اِسی جگہ مُورتی کی حفاظت کے لیے ٹھہر جائیں - مجھے لکڑی کا صندوق تیار کروانا ہے تاکہ مُورتی کو اُس میں حفاظت سے بند کر دیا جائے ۔"

عامر اور عمّار نے عجائب گھر میں رات گزارنے کی حامی بھر لی۔ جون نے دونوں کو ایک شاندار ہوٹل میں کھانا کھلایا اور پھر اُن کو مُورتی والے تہ خانے میں چھوڑ دیا۔

"مسٹر جون، کل جب تفتیش کے لیے فرید کمال آجائیں تو اُنھیں احمد خفّاش پر نظر رکھنے کو کہا جائے۔ میرا خیال ہے، احمد خفّاش کا اِس چوری سے کوئی نہ کوئی تعلّق ضرور ہے" عامر نے کہا۔

"اوہ! میں آپ لوگوں کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ ہم لوگوں کی مصروفیّت سے فائدہ اُٹھا کر احمد خفّاش کہیں غائب ہو گیا ہے" جون نے جلدی سے کہا۔

عمّار نے کہا "مجھے تو اُسی روز ہی شک ہو گیا تھا جس روز اُس نے خنجر کے بارے میں کہا تھا کہ اُس کی کھونٹی ڈھیلی تھی، اس لیے اُس نے خنجر دیوار سے اُتار لیا۔ حالاں کہ کھونٹی بالکل ٹھیک حالت میں تھی۔"

جون نے سوال کیا "پھر آپ لوگوں نے اُسے کھلا کیوں چھوڑ دیا؟"

عمّار کی بجائے عامر نے جواب دیا "اِس لیے کہ اُس کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ دوسری

بات یہ تھی کہ ہم اُسے ڈھیل دے کر رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتے تھے۔"

"لیکن اب تو وہ قانون کی گرفت سے اِتنی دُور چلا گیا ہے کہ اُس کو پکڑنا بہت مُشکل ہے" جون بولا۔

"قانُون اور مجرِم کا چُوہے بِلّی والا حساب ہے۔ مجرِم کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن قانُون کے شکنجے میں پھنس ہی جاتا ہے" عامِر نے جواب دیا۔

جون نے کہا "یہ قانون کی باتیں قانون دان ہی جانیں۔ مُورتی سامنے موجود ہے۔ غور سے دیکھ لیں۔ اب میں چلا۔ مجھے اُمید ہے، صُبح جب میں آؤں گا تو یہ اپنی جگہ موجود ہو گی۔"

عمّار نے جواب دیا "آپ فکر نہ کریں۔ یہ مُورتی ہے۔ اپنے قدموں سے چل کر کہیں نہیں جائے گی۔ اور چور کے قدموں کو ہم یہاں تک نہیں آنے دیں گے۔"

جون کے جانے کے بعد عمّار اور عامِر بستروں پر دراز ہو گئے۔ عامِر نے کہا "میرا خیال ہے، کوئی یہ نہیں چاہتا تھا کہ جمال مُورتی کے ہمراہ مِصر جائے۔ اِسی لیے اُسے زہر دیا گیا ہے۔"

"اگر کِسی نے جمال کو برداشت نہیں کیا تو ہمیں کیسے

برداشت کرے گا ؟ کئی من وزنی سونے کی یہ مُورتی کسی بھی وقت چُرائی جا سکتی ہے ،، عمّار نے کہا۔

عامِر نے سوال کیا " اِس مورتی کے اِنتقام کے بارے میں تمُھارا کیا خیال ہے ؟"

"سب فراڈ ہے۔ چوروں کا کوئی گروہ اِسے حاصل کرنے کے لیے عوام کو یہ تأثّر دے رہا ہے تاکہ جب اِسے چُرالیں تو کوئی اور کہانی گھڑ کے قانُون کو دھوکا دے سکیں۔ بھلا مُورتیاں بھی کہیں اِنتقام لیتی ہیں" عمّار نے کہا۔

" اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رات بھر جاگ کر پہرا دینا ہوگا "

"یہ ڈیوٹی آپ سرانجام دیں۔ بندہ تو سخت تھکا ہوا ہے۔ لمبی تان کر سوئے گا۔ ہاں، اگر کوئی چور نظر آجائے تو مجُھے جگا لینا " عمّار نے جواب دیا اور بستر پہ دراز ہوگیا۔

مُورتی کا اِنتقام

تہ خانے میں مکمل خاموشی تھی۔ صرف دال کلاک کی ٹِک ٹِک سُنائی دے رہی تھی۔ عمّار سو چکا تھا، اور عامِر اُونگھ رہا تھا۔ اچانک کلاک نے رات کے دو بجائے۔ ابھی عامر کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اُس نے اپنے کندھے پہ کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسُوس کیا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ تہ خانے میں مکمّل تاریکی تھی۔ تمام بتّیاں بند تھیں، سوائے ایک سبز رنگ کے نائٹ بلب کے۔

عامِر نے چونک کر دیکھا۔ اُس کے سامنے سونے کی مُورتی کھڑی غضب ناک نگاہوں سے اُسے گھُور رہی تھی۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا ناگ تھا جس نے اپنا پھن اُٹھا رکھا تھا اور وہ پُھنکار رہا تھا۔ عامِر نے اپنے حواس پہ قابُو پاتے ہوئے ایک نظر مُورتی کے کمرے کی طرف دیکھا، لیکن اندھیرا ہونے کے سبب اُسے وہاں مُورتی نظر نہ آئی۔ اُس

کے کانوں میں سدھارت کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو اُس نے مُورتی کے اِنتقام کے بارے میں کہے تھے. ناقابلِ یقین بات حقیقت بن کر اُس کے سامنے موجود تھی۔

اچانک مُورتی نے قہقہہ لگایا اور گرج دار آواز میں کہا "نادان لڑکے! ہم ڈھائی ہزار سال پہلے بھی زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں۔ تم نے ہمارا مذاق اُڑایا تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اِس بار تمھیں معاف کیا جاتا ہے۔ آیندہ ایسا کیا تو تم ہمارے خوف ناک اِنتقام سے بچ نہیں سکو گے"۔

یہ کہہ کر مُورتی نے پھنکارتے ہوئے سانپ کو اپنے گلے میں ڈالا اور تہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر جانے لگی۔ عامر جو کچھ دیر کے لیے حیرت زدہ رہ گیا تھا، ایک دم اصلی حالت میں لوٹ آیا اور پھر اُس نے مُورتی کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ بھاگتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر ہال میں داخل ہُوا جہاں بہت سے مجسّمے رکھے تھے۔ اُس نے ایک سمت سے مُورتی کو آتے دیکھا تو پتھر کے ایک بڑے مجسّمے کی آڑ لے لی۔ لیکن اِس سے قبل کہ مُورتی اُس کے قریب

آئے ، پتھر کے مجسّمے کا وزنی ہاتھ اُس کے سر پر پڑا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور پھر وہ بے ہوش ہو کر مجسّمے کے قدموں میں گر پڑا۔

جب اُسے ہوش آیا تو کھڑکی سے آنے والی چاند کی روشنی ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک اُسے محسُوس ہوا کہ اُس کے سینے پر کوئی بھاری چیز پڑی ہوئی ہے۔ اُس نے اُسے چھُو کر دیکھا تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اُس کے سینے کو اُسی دیو قامت مجسّمے نے اپنے بازُو سے دبا رکھا تھا۔

چاند کی چاندنی میں عامر نے مجسّمے کی طرف نگاہ کی تو اُس کے ماتھے پر پسینا آگیا۔ مجسّمے کا ایک بازو اُس سے کٹا ہوا تھا اور اُس جگہ سے سُرخ سُرخ خون بہ رہا تھا۔ سردی کی ایک لہر نے اُس کے جسم کو کپکپا کر رکھ دیا۔ مجسّمے کے سینے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ عامر نے اُسے غور سے پڑھا تو معلوم ہوا کہ اُدسی رس دیوتا کا مجسّمہ ہے۔

عامر نے خُدا کا نام لے کر پتھر کے اُس وزنی بازُو کو اپنے سینے سے ہٹایا اور پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ خدا کا نام لینے اور کلمہ پڑھنے سے اُس کے جسم میں قوّت

پیدا ہو گئی تھی اور خوف اور دہشت کے اثرات دُور ہو گئے تھے۔ اُس نے فوراً اُٹھ کر بجلی کا سوئچ آن کر دیا۔ سارا ہال روشنی سے جگ مگا اُٹھا۔

اب اُس پر ساری حقیقت کُھل گئی تھی۔ اُس نے ٹوٹے ہوئے بازو سے رِسنے والے خُون کو دیکھا۔ کسی نے بڑی ہوشیاری سے سُرخ گاڑھا رنگ ٹوٹی ہوئی جگہ لگا دیا تھا۔ اب ساری بات اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ دراصل مُجسّمے کا یہ بازُو پہلے سے ٹوٹا ہُوا تھا۔ عجائب گھر کی اِنتظامیہ نے اُسے عارضی طور پر کسی چیز سے اٹکا دیا تھا۔ اندھیرے میں وہ اِس مُجسّمے سے ٹکرایا تو مُجسّمے کا بازو، دھڑ سے الگ ہو کر اُس کے سر پر آ پڑا اور وہ ضرب لگنے سے بے ہوش ہو گیا۔ بات صاف ظاہر تھی۔ کسی نے اِن کے دلوں پر بُتوں کا خوف طاری کرنے کے لیے یہ حرکت کی تھی۔

وہ ہال کی بتّی بُجھا کر جلدی سے تہ خانے میں داخل ہوا۔ یہاں روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔ اُس نے عمّار کو بستر پر بیٹھے دیکھا، جس کے ہاتھ میں مُورتی والا کالا ناگ تھا اور وہ زور زور سے پُھنکار رہا تھا۔ عامر نے چیخ کر کہا:

"پاگل ہو گئے ہو؟ اِس موت کو دُور پھینک دو۔ یہ سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے۔"

عمّار نے ہنستے ہُوئے کہا "بھائی، ذرا قریب آ کر تو دیکھو۔"

عامر نے دوبارہ چیخ کر کہا "میں کہتا ہُوں اِس سانپ کو دُور پھینک دو۔ کاٹ کھائے گا۔ دیکھو، کیسے پھُنکار رہا ہے۔"

عمّار نے قہقہہ لگاتے ہُوئے کہا "ارے میرے بھائی، یہ تو ربڑ کا سانپ ہے۔"

"نقلی سانپ ہے؟ مگر یہ تو پھُنکار رہا ہے۔"

"قریب آ کر اس کا مُعاینہ کرو۔ سب کچھ پتا چل جائے گا۔ یہ دیکھو۔ سانپ اندر سے خالی ہے اور اس کے پیٹ کے نیچے کھلونوں والی سیٹی لگی ہوئی ہے۔ جب اِس کو دبایا جاتا ہے تو ہوا اِس سیٹی سے نکلتی ہے، جس کی آواز سانپ کی پھُنکار کی طرح ہے۔ تُم نے پلاسٹک کی گڑیوں میں ایسی سیٹی نہیں دیکھی جنھیں دبانے سے وہ بولتی ہیں؟"

عامر نے قریب جا کر سانپ کا مُعاینہ کیا تو کِھل کِھلا کر ہنس پڑا۔ اِس کے بعد اُس نے کمرے میں جھانک

کر دیکھا - بدھ کی مورتی اپنی جگہ موجود تھی -

"میرا خیال ہے، یہ چھوٹی موٹی چوری کا کیس نہیں. مجرموں نے یہاں اچھا خاصا سازش کا جال بچھا رکھا ہے" عامر نے کہا - .

عمار نے سوچتے ہوئے کہا "تمھارا خیال درست ہے - شاید اسی لیے ہمیں اس مورتی کے انتقام، کی کہانی سنا کر ڈرانے کی کوشش کی گئی ہے"

"فی الحال تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا - میرا خیال ہے مجرم ہمیں مصر جانے سے روکنا چاہتے ہیں"

اس کے بعد دونوں بھائیوں نے دروازوں اور کھڑکیوں کا معاینہ کیا اور پھر اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو کر سو گئے -

صبح کو مس ایلس ان کے لیے ناشتا لے کر آئی تو باہر دھوپ پھیل گئی تھی - اس نے کپوں میں چائے ڈال کر عامر اور عمار کو دی تو انھوں نے کپوں کے کناروں کو غور سے دیکھا - ایلس نے کھسیانی ہنسی ہنس کر کہا :

"فکر نہ کریں - اس بار میں نے کسی کو اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ چائے میں زہر شامل کر سکے - مسٹر عامر، مجرموں کے پاس اور بھی کئی حربے ہو سکتے ہیں - یہ

ضروری تو نہیں کہ وہ ہر کسی کو زہر دے کر ہی ہلاک کرنے کی کوشش کریں۔"

"ہوں، آپ کا خیال درست ہے۔ آپ صورت سے تو بہت معصوم نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں بہت ہی چالاک ہیں۔"

ایلس نے انڈوں کی پلیٹ آگے بڑھاتے ہوئے کہا "یہ سب جاسوسی ناولوں کی بدولت ہے۔ میں جاسوسی ناول بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔"

عمار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "اسی لیے یہاں بڑے آرام سے چوریاں ہو رہی ہیں۔"

ایلس نے ناگواری سے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"عمار کا مطلب یہ ہے کہ اتنے بہت سے سُراغ رسانوں کی موجودگی میں بھی یہاں چوریاں ہو رہی ہیں" عامر نے مسکرا کر کہا۔

ایلس نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا "مسٹر عامر، چوری کرنے والے تو آنکھوں سے کاجل چرا لیتے ہیں۔ یہ تو سونے کی مورتیاں ہیں۔ ہاں، یاد آیا۔ مسٹر جون دفتر میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ شاید مسٹر فرید کمال

یہاں آچکے ہیں اور آپ لوگوں سے ملنے کے مُشتاق ہیں۔"
دونوں بھائیوں نے جلدی جلدی ناشتا کیا اور پھر دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب وہ دفتر میں داخل ہُوئے تو جون چوری کے تمام واقعات فرید کمال کو بتا چُکا تھا۔ فرید کمال نے بڑی محبّت اور گرم جوشی کے ساتھ دونوں کا اِستقبال کیا اور کہا:

"مُجھے تمام حالات کا عِلم مسٹر جون سے ہو چُکا ہے۔ تُم دونوں بے فکر ہو کر مِصر جاؤ۔ میں اِن شاءاللہ چوروں سے مُورتیاں برآمد کر لوں گا۔ آخر میں دُنیا کے مشہُور سُراغ رساں شہاب زیدی کا شاگرد ہوں۔"

اُسی وقت ٹیلے فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ جون نے ریسیور اُٹھایا اور پھر عامِر کی طرف بڑھاتے ہُوئے کہا "تمھارے ڈیڈی کی کال ہے۔"

عامِر نے اپنے ڈیڈی کو یہاں کے تمام حالات سے آگاہ کیا اور اُن سے مِصر جانے کی اجازت چاہی۔ شہاب زیدی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُن کا نائب فرید کمال کولمبو پہنچ گیا ہے تو اُنھوں نے لڑکوں کو مِصر جانے کی اجازت دے دی۔ پھر فرید کمال کو

کچھ ہدایات دینے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

پُراسرار سایہ

جون نے مُورتی کے بکس کے ساتھ عامر اور عمّار کو بندرگاہ پہنچا دیا، جہاں ایک بحری جہاز لنگر انداز تھا۔ یہ جہاز مصر روانہ ہونے والا تھا، اِس لیے راستے کے شہروں کا سامان بھی اس پر لادا جا رہا تھا۔ ایک بہت بڑی کرین سامان کو اُٹھا کر جہاز پر لادنے میں مصروف تھی۔ اِسی سامان کے ساتھ مورتی والا بکس بھی جہاز پر پہنچا دیا گیا۔ جہاز نے روانگی سے قبل وِسل دی تو عامر اور عمّار نے جون اور فرید کمال کے ساتھ ہاتھ ملایا اور جہاز پر سوار ہو گئے۔ کپتان حمید راشدی نے بڑی محبّت سے اِن کا استقبال کرتے ہوئے کہا:

"میں نے مُورتی کے بکس کے قریب ہی آپ دونوں کے لیے ایک کیبن کا اِنتظام کر دیا ہے تاکہ آپ اِس بکس کو ہر وقت نظر میں رکھیں۔"

عامر اور عمّار نے جہاز کے کپتان کا شکریہ ادا

کیا اور پھر اپنی کیبن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اِس کے بعد جہاز گہرے پانی کی طرف روانہ ہو گیا اور بحرِ ہند کی موجوں کی آغوش میں جھولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ عامر اور عمّار اپنا سامان کیبن میں سٹ کر رہے تھے جس کی کھڑکی سے سامنے رکھا ہُوا مُورتی کا بکس اُنھیں نظر آ رہا تھا۔ اُسی وقت جہاز کا کپتان اندر داخل ہُوا اور کرسی پہ بیٹھ گیا۔ عامر نے پُوچھا:

"حمید راشدی صاحب، اِس لمبے سفر میں جہاز کہاں کہاں رُکے گا؟"

حمید نے جواب دیا "ہمارا پہلا اِسٹاپ اُس وقت ہوگا جب جہاز بحیرۂ احمر میں داخل ہوگا اور ہم عدن پہنچ چُکے ہُوں گے۔"

ابھی دوسرے اسٹاپ کے متعلق کپتان بتانا ہی چاہتا تھا کہ عملے کے ایک آدمی نے اُسے وائرلیس پہ کسی پیغام کے مُتعلِق بتایا اور وہ معذرت کرتا ہُوا چلا گیا۔

جہاز دن بھر سفر کرتا رہا۔ اب چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ آخر سُورج آہستہ آہستہ غرُوب ہو گیا۔ سُنہری رنگ میں رنگی لہروں پہ آہستہ آہستہ سیاہی

آنی شروع ہوگئی اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ اِس دوران میں عامر اور عمّار مُورتی والے صندوق کی نگرانی کرتے رہے تھے۔

رات ہوتے ہی جہاز میں روشنی کر دی گئی لیکن یہ روشنی زیادہ تر مسافروں کے کیبنوں کی طرف تھی سامان کی طرف روشنی کا کوئی خاص اِنتظام نہ تھا۔ صرف دُور سے آنے والی روشنی کا عکس کہیں کہیں پڑ رہا تھا۔

عامر نے عمّار سے کہا "اب ہمیں باری باری جاگ کر مُورتی کی حِفاظت کرنی ہوگی۔"

عمّار نے لاپروائی سے جواب دیا "ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ منوں وزنی اِس صندوق کو کوئی کھلونے کی طرح اُٹھا کر جیب میں نہیں رکھ لے گا۔ اِس کے گِرد لگی ہوئی تانبے کی چادروں کو اُکھاڑنے کے لیے بھی کافی وقت درکار ہوگا، اور کیلوں سے جُڑی ہوئی یہ چادریں بغیر آواز کیے اکھاڑ لینا اتنا آسان نہیں ہے۔ لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ آرام سے سو جاؤ۔ ہاں، البتّہ آنکھوں کی بجائے اپنے کان کُھلے رکھو۔"

عمّار نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن

عامر جانتا تھا کہ اُس کا بھائی اتنا غیر ذمّے دار نہیں۔ محض اُسے تنگ کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہے۔ وہ بھی اُتنا ہی چوکس تھا جتنا عامر۔

رات تیزی سے گزرتی جا رہی تھی۔ آسمان پر ستاروں کے قافلے رواں دواں تھے۔ البتّہ چاند کا نام و نشان نہ تھا۔ عامر نے اُونگھتے اُونگھتے جمائی لی اور پھر آخری مرتبہ مُورتی والے صندوق کی طرف دیکھا۔ پھر وہ بستر سے اِس طرح اُٹھا جیسے کسی بچھّو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اُس کی نگاہیں مُورتی کے صندوق پر لگی ہوئی تھیں کہ اُس کے کان میں کسی نے سرگوشی کی:

"زمین و آسمان دونوں اپنی جگہ موجُود ہیں، پھر آپ نے اپنی جگہ کیوں چھوڑ دی ہے؟"

عامر نے مُڑ کر دیکھا۔ عمّار اس کی کمر سے لگا کھڑا تھا اور اُس کی نظریں بھی مُورتی والے صندوق پر لگی ہوئی تھیں۔

عمّار نے سرگوشی میں کہا "میں نے اِس سامان کے درمیان مُورتی والے صندوق کی طرف کسی سائے کو بڑھتے ہُوئے دیکھا ہے۔"

عمّار نے شرارت سے جواب دیا "فکر کی کوئی بات

نہیں۔ مُورتی صندوق سے نکل کر چہل قدمی کر رہی ہو گی۔"
کوئی جواب دینے کی بجائے عامر چیتے کی سی پھرتی سے کیبن سے باہر نکل گیا۔ بھلا عمّار کب پیچھے رہنے والا تھا۔ وہ بھی بھائی کے تعاقب میں باہر نکل گیا۔ جُوں ہی وہ عامر کے قریب پہنچا، عامر نے ایک سمت اشارہ کیا جہاں کوئی سایہ جہاز کے مُلازمین کی وردی پہنے مُورتی کے صندُوق کی طرف بڑھ رہا تھا۔

یہ دونوں بھی سامان کے درمیان راستہ تلاش کرتے ہُوئے اُسی سمت بڑھنے لگے۔ سائے کے ہاتھ میں لوہے کے چند اوزار دکھائی دے رہے تھے اور وہ مُورتی کے صندُوق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عامر اور عمّار نے صندوقوں کی آڑ لے رکھی تھی۔ پھر جوں ہی وہ سایہ صندوق کے پاس پہنچا، دونوں بھائی اُسے پکڑنے کے لیے تیّار ہو گئے۔ لیکن اُسی وقت سمُندر کی ایک بڑی لہر نے جہاز کو اُچھال دیا۔ عامر اور عمّار توازُن برقرار نہ رکھ سکے اور سامان کے اُوپر جا گرے۔ آواز پیدا ہوتے ہی سائے نے ایک طرف جست لگائی۔ وہ اِن دونوں کو دیکھ چُکا تھا۔ دونوں بھائی اُس کی سمت بھاگے اور اُن کے درمیان آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ سایہ اپنے آپ کو

تاریکی میں رکھ کر فرار کا راستہ تلاش کر رہا تھا، جو اُسے جلدی ہی مل گیا اور جب عامر اور عمّار اُس پر جھپٹے تو اُسے اندھیرا نگل چکا تھا۔

آخر عمّار نے رائے دیتے ہُوئے کہا "بھائی، تم دائیں طرف سے چکّر کاٹ کر مُورتی کے بکس تک پہنچو۔ میں بائیں طرف سے آتا ہُوں۔ اِس طرح ہم اُسے ضرُور پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

دونوں اپنی اپنی سمت میں سامان کے درمیان چلے جا رہے تھے۔ آخر عمّار نے اُس سائے کو دیکھ لیا جو سامان کی آڑ لیتا ہُوا اُس کی سمت چلا آ رہا تھا۔ عمّار تیار ہو کر ایک جگہ آڑ میں کھڑا ہو گیا اور جُوں ہی سایہ اُس کے قریب پہنچا، اُس نے چھلانگ لگا کر اُسے دبوچ لیا۔ دونوں ایک دُوسرے کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش میں لُڑھکتے ہُوئے دُور چلے گئے۔ پھر جُوں ہی عمّار نے سائے کی کنپٹی پہ مُکّا مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا، وہ حیران رہ گیا۔ چور کی بجائے دونوں بھائی آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ دونوں نے پشیمانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر کھسیانی ہنسی ہنس کر دوبارہ چور کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن اب چور اُن کی

دست رس سے باہر جا چُکا تھا۔

جب وہ اپنے کیبن کی طرف آ رہے تھے تو اُنھوں نے کسی کے قدموں کی آواز سُنی۔ وہ اُس طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک سایہ ایک بس کو پھلانگتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔ دونوں بھائی تیزی سے اُس کے تعاقب میں چل دیے اور جب اُنھوں نے بس کے دُوسری طرف دیکھا تو وہاں روشنی میں جہاز کا کوئی بڑھئی ہتھوڑے سے ایک ٹوٹے ہوئے بکس کی مرمّت کر رہا تھا۔

عامر نے اُس سے پُوچھا "تم کون ہو؟"

"نظر نہیں آتا؟ میں جہاز کا کارپنٹر ہشام ہوں" اُس نے رُکھائی سے جواب دیا۔

"لیکن تُم ہمیں دیکھ کر بھاگے کیوں تھے، اور اُس مُورتی کے بکس کے پاس کیا لینے گئے تھے؟" عامر نے سختی سے کہا۔

"اپنا لہجہ دُرست کرو، مسٹر" ہشام غُصّے سے بولا "میں باکسر رہ چکا ہوں اور میرا ہاتھ کافی بھاری ہے۔ تمھیں اِس قسم کے سوالات کرنے کا مجھ سے کوئی حق نہیں۔ جاؤ اپنا راستہ لو۔"

عامر کو غصّہ تو بہت آیا لیکن وہ پی گیا۔ عمّار نے بڑی نرمی سے اُس سے پُوچھا "اچھّا بھائی، باکسر۔ اتنا ہی بتا دو کہ کوئی آدمی اِس لبس کو پھلانگتا ہوا تمھارے قریب سے گزر کر تو نہیں گیا؟"

"یہاں ہر آدمی آرام کر رہا ہے۔ تمھاری طرح بےخوابی کا شکار نہیں۔ صُبح کو شِپ کے ڈاکٹر سے مُعاینہ کروانا۔"

دونوں بھائی واپس ہو لیے۔ راستے میں عامر نے کہا "یا تو وہ سایہ اِسی آدمی کا تھا یا پھر یہ اُس کے متعلّق ضرور کُچھ نہ کُچھ جانتا ہے۔ لیکن بتانا نہیں چاہتا۔"

عمّار نے جواب دیا "تمھارا خیال دُرست ہے۔ لیکن اب بہتر یہ ہے کہ چل کر مُورتی کے صندوق کا مُعاینہ کر لیں۔ وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے یا نہیں۔"

دونوں نے آکر مورتی والے بکس کا مُعاینہ کیا جو ٹھیک حالت میں تھا۔ اِطمینان کرنے کے بعد وہ اپنے کیبن کی طرف آئے تو ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے سامنے ڈراؤنی شکلوں والی دو بلائیں کھڑی تھیں۔

"تم کون ہو اور ہمارے کیبن میں کیا کر رہے ہو؟" عامر نے جی کڑا کر کے پُوچھا۔

"ہم خاشوش اور خرطوش اِس مُورتی کے خدمت گار ہیں، اور اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ڈھائی ہزار سال قبل بھی ہم مہاتما بدھ کے غلام تھے۔ ہمیں آقا کا حُکم ہے کہ ہم تمھارا دل نکال کر کچّا ہی چبا جائیں۔"

"بھائیو، ہمارا دل کچّا مت کھانا۔ ہضم نہ ہوگا۔ البتّہ بھُون لو تو اچھّی بات ہے" عمّار نے ہنس کر کہا۔

اِس کے ساتھ ہی اُس نے آنکھ سے بھائی کو اِشارہ کیا اور پھر دونوں ایک ساتھ بلاؤں پر جھپٹ پڑے۔ اُنھوں نے بلاؤں کے مُنھ نوچ لیے اور اب حیرت سے اُن ربڑ کے بنے ہُوئے چہروں کو دیکھ رہے تھے جو اُن کے ہاتھوں میں تھے۔ اُن کے سامنے اُن کے دوست نصیر اور عِرفان کھڑے مسکرا رہے تھے۔

عامِر نے اُنھیں دیکھ کر خوش ہوتے ہُوئے کہا "ارے! تم اور اِس جہاز پر! ماجرا کیا ہے، دوستو؟"

نصیر نے جواب دیا "بھائی، ہم تو دوستوں کے ساتھ جہاز پر کیا جہنّم تک جانے کو تیار ہیں۔"

عرفان نے کہا "حیران ہونے کی بات نہیں۔ دراصل اِس جہاز کے کپتان حمید راشدی میرے انکل ہیں۔ ہمیں جب عِلم ہوا کہ تُم کسی مُورتی کے ساتھ مِصر جا رہے

ہو تو ہم نے بھی اِس سفر میں تمھارا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا۔ اِتّفاق سے جہاز کا وائرلیس آپریٹر چھُٹّی پر گیا ہُوا تھا، اِس لیے انکل نے مجھے عارضی طور پر اِس ڈیوٹی پر رکھ لیا۔"

"رہ گیا میں غریب، تو مجھے کپتان صاحب کے بیرے کی جگہ دے دی گئی جسے میں نے بحالتِ مجبُوری قبول کر لیا" نصیر بولا۔

عامِر نے کہا "نصیر، تم سدا کے پیٹُو ہو۔ تمھارے لیے یہ نوکری ہی موزوں تھی۔"

"کہیں کپتان صاحب کو نہ بتا دینا۔ وہ میری چھُٹّی کر دیں گے" نصیر بولا۔

عمّار نے کہا "تمھاری چھُٹّی ہو نہ ہو، بچّو باقی اِسٹاف کی ضرور چھُٹّی ہو جائے گی۔ سارا راشن تو تم کھا جاؤ گے اور وہ غریب بھُوکے مر جائیں گے۔"

اِس کے بعد نصیر اور عرفان پھر ملنے کا کہہ کر چلے گئے اور عامر اور عمّار بستر پہ دراز ہو گئے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ ستاروں کی بارات آسمان سے رُخصت ہو رہی تھی۔ عامِر اُونگھ رہا تھا کہ اُس نے قہقہے کی آواز سُن کر آنکھیں کھول دیں اور پھر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی

ہی رہ گئیں۔ اِس بار کھڑکی کے باہر بدھ کی مُورتی کھڑی تھی۔ وہ قہقہے لگا رہی تھی اور عامر اور عمّار حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ پھر جوں ہی دونوں بھائی کیبن سے باہر نکلے، مورتی غائب ہو گئی۔

دونوں بھائیوں نے تمام جہاز میں گھوم پھر کر اُسے تلاش کرنا شروع کیا۔ جہاز میں مکمّل سکوت طاری تھا۔ تمام مسافر گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ یہاں تک کہ جہاز کا عملہ بھی سو چکا تھا۔ آخر تلاش کرتے ہوئے وہ جہاز کے عرشے پر چلے آئے۔ اُنھوں نے اُوپر سے جھانک کر دیکھا تو نیچے کی منزل میں کوئی شخص حفاظتی کشتی کے رسّے کو ریلنگ کے ساتھ باندھ رہا تھا۔ اُس نے جہاز کے عملے والی وردی پہن رکھی تھی۔

عامر نے عمّار سے کہا "ہمیں چل کر دیکھنا چاہیے۔ رات کے اِس پہر جب کہ مسافروں کے علاوہ عملہ بھی سو رہا ہے، یہ شخص کیا کر رہا ہے۔"

دونوں جلدی جلدی عرشے سے اُتر کر نیچے کی منزل میں آ گئے جہاں وہی شخص ریلنگ کے ساتھ رسّے کو باندھ رہا تھا۔ عامر اور عمّار اُس کے قریب گئے اور پھر حیرانی سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ شخص

4483

ہشّام تھا۔

"میرا خیال ہے، یہ رات سیر کرنے کے لیے نہایت عمُدہ ہے" عامر بولا۔

"ہو گی۔ جاؤ، سیر کرو" ہشام نے جواب دیا۔

عمّار نے طنزیہ انداز میں کہا "یہ تم اِس رسّے سے کیا جہاز کو کنٹرول کر رہے ہو؟"

ہشام نے قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھا اور پھر بولا "میں یہاں ڈیوٹی پر ہُوں۔ تمھارا خیال ہے، میں بھی کسی اُلّو کی نسل سے ہُوں جو آدھی رات کو سیر کرتا پھر رہا ہُوں؟"

اِس جواب پر عمّار کے کان سُرخ ہو گئے۔ لیکن عامر نے اُسے اشارے سے دماغ ٹھنڈا رکھنے کے لیے کہا۔

"جاؤ، جا کر سیر کرو۔ میری ٹوہ میں رہنے سے تمھیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ البتہ نقصان ضرور ہو سکتا ہے۔" یہ کہہ کر ہشام چلا گیا۔

عمّار نے کہا "ایسا لگتا ہے یہ شخص ہمارے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا ہے۔ یہ دُوسری مرتبہ ہے کہ ہم نے اِسے تنہا دیکھا ہے۔"

عامر نے جواب دیا "ممکن ہے یہ شخص ہمارا تعاقب عجائب گھر سے ہی کر رہا ہو۔ ایسا لگتا ہے یہ ہمیں ڈرا کر مصر جانے سے روک رہا ہے۔ ہمیں اب زیادہ محتاط رہنا چاہیئے۔"

خوف ناک طوفان

عامر اور عمار کی آنکھ کھلی تو سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ دونوں جلدی جلدی تیار ہو کر باہر نکل آئے۔ ان کا رخ کپتان کے کیبن کی طرف تھا۔ عامر نے کپتان کو رات کے واقعے کے بارے میں بتایا اور پھر سوال کیا "آپ کے اسٹاف میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جو یہ شیطانی حرکات کر رہا ہے۔"

کپتان نے حیرت سے جواب دیا "میرا خیال ہے یہ تمھارا وہم ہے۔ بھلا میرے اسٹاف کو تمھارے اس کیس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

عمار نے دوسرا سوال داغتے ہوئے کہا "آپ کے اسٹاف میں سب پرانے آدمی ہی ہیں یا کچھ نئے بھی بھرتی

کیے گئے ہیں ؟"

کپتان نے جواب دیا "سب ہی پُرانے آدمی ہیں۔ کچھ نئے مُلازموں کا بھی اِضافہ ہوا ہے۔"

عمّار نے دُوسرا سوال کیا " اِس ہشام کے مُتعلّق آپ کا کیا خیال ہے ؟ یہ پُرانے مُلازموں میں سے ہی ہے ؟"

"نہیں۔ اُسے نیا بھرتی کیا گیا ہے۔ کیا تمھیں اُس پر کسی قِسم کا شک ہے ؟" کپتان نے پُوچھا۔

"ہماری نظر میں وہ مشکُوک ہے" عامر نے کہا۔

"اچھّا ہُوا تم نے مجھے بتا دیا۔ اب میں اُس کی نگرانی کروں گا" کپتان بولا۔

وہ دونوں کپتان کا شکریہ ادا کرکے باہر نکلے تو نصیر اور عِرفان کو مُنتظِر پایا۔ نصیر نے اُنھیں ایک طرف لے جا کر کہا :

"تُم دونوں کے لیے ایک خاص خبر میرے پاس ہے۔ میرے پیچھے خاموشی سے چلے آؤ۔"

پھر ایک جگہ رُک کر وہ کہنے لگا "میں تمھیں وہ حیرت انگیز چیز دکھانا چاہتا ہُوں جسے میں نے اُس لائف بوٹ یعنی حفاظتی کشتی میں پڑا پایا ہے۔"

وُہ رسّے کی مدد سے کشتی میں اُتر گیا اور جب وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں سُنہری رنگ کے پلاسٹک کا ایک لباس تھا۔ اُس نے جلدی سے آڑ میں جا کر یہ سُنہری لباس پہنا اور جب وہ باہر آیا اور اُس پر عامر اور عمّار کی نظر پڑی تو دونوں کے مُنھ سے ایک ساتھ نِکلا "مہاتما بدھ کی مُورتی!"

مُورتی والے لباس کے اندر سے نصیر نے جواب دیا "میرا خیال ہے، یہی لباس پہن کر کوئی تمھیں ہراساں کرتا رہا ہے۔"

نصیر نے دُوبارہ آڑ میں جا کر مُورتی والا لباس اُتار کر عمّار اور عامر کی طرف بڑھایا۔ عامر نے اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا تو اس لباس میں ایک چِٹ لگی ہوئی تھی، جس پر "لکسر" چھپا ہُوا تھا۔ عامر نے سرگوشی کے انداز میں کہا:

"لکسر تو مِصر کا ایک شہر ہے، جو قاہرہ سے 400 میل دُور دریائے نیل کے کنارے آباد ہے۔ میرا خیال ہے یہ لباس اِسی شہر سے خریدا گیا ہے۔"

"یا بنوایا گیا ہے" عمّار نے لُقمہ دیا۔

"نصیر اور عرفان نے بلاؤں کے جو ماسک چہروں پر

لگا کر ہمیں ڈرانے کی کوشش کی تھی، میں نے اُن پر بھی ایسی ہی چِٹ لگی دیکھی تھی" عامِر نے عمّار کو بتایا۔

عِرفان نے کہا "عامِر کا خیال دُرست ہے۔ لکسر میں ایسے ماسک دکانوں پر عام فروخت ہوتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اِس لباس کے اندر وُہ کون شخص ہے جو ہمیں مِصر جانے سے روکنے کی کوشش میں مصرُوف ہے؟" عمّار نے کہا۔

"ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔ کیوں نہ ہم اُس کے گِرد جال پھیلائیں۔ ہم اِس لباس کو اُس کشتی میں رکھ دیتے ہیں، اور پھر مختلف مقامات پہ چُھپ کر کشتی پر نظر رکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے، مُجرِم ضرور لباس لینے کے لیے آئے گا" عامِر نے خیال ظاہر کیا۔

عمّار نے خوش ہو کر کہا "یہ ایک بہترین ترکیب ہے۔ بس اِس پر عمل شرُوع کر دیا جائے۔ ہم چاروں اُس کشتی پر نظر رکھیں گے۔"

سارا دن اور ساری رات گزُارنے کے بعد جب چاروں دوست کیبن میں اکٹھے ہُوئے تو بہُت مایوُس تھے۔ اِس دوران میں کِسی نے بھی اُس کشتی کی طرف توجّہ نہ دی تھی اور کوئی بھی اُس لباس کو لینے نہ آیا تھا۔

کئی روز گزر گئے۔ کوئی بھی حادثہ رُونما نہ ہُوا۔ عامر اور عمّار رات دن مُورتی کے صندوق کی نگرانی کرتے رہے۔ اُنھوں نے ہشام پر بھی نظر رکھی، لیکن اُن کو اِس میں بھی کوئی بات مشکوک نظر نہ آئی۔ وہ بھی دوسرے مُلازمین کی طرح اپنی ڈیوٹی دیتا رہا۔ لیکن عین اُس وقت جب جہاز بُحیرۂ احمر میں داخل ہو رہا تھا، کپتان حمید راشدی نے لاؤڈ اِسپیکر پر مسافروں کو مُخاطب کیا:

"میں حمید راشدی، جہاز کا کپتان ہونے کی حیثیّت سے، تمام مُسافروں کو مُطلّع کرتا ہُوں کہ محکمۂ موسمیات کی اِطلاع کے مُطابق سمُندر میں ایک زبردست طُوفان آ رہا ہے۔ اِس لیے تمام مسافروں کو اِس طوفان سے نمٹنے کے لیے اپنے آپ کو تیّار کر لینا چاہیے۔ تعاوُن کا شُکریہ۔"

دیکھتے ہی دیکھتے سمُندر کی لہروں میں تیزی آگئی جس سے جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ آسمان پر کالی گھٹا چھا گئی اور مُوسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اور پھر طوفان نے پُوری شدّت کے ساتھ جہاز کو کِھلونے کی طرح اُچھالنا شُروع کر دیا۔ سمُندر کی لہریں ناگنوں کی طرح پھُنکارتی جہاز سے ٹکرا رہی تھیں اور سمندر کا پانی

جہاز میں آرہا تھا - تیز ہوا آندھی میں تبدیل ہو گئی ، اور جہاز کٹی پتنگ کی مانند ہچکولے کھانے لگا ہر وقت یہ ڈر لگا ہُوا تھا کہ کہیں وہ اُلٹ نہ جائے - سارا سامان اِدھر سے اُدھر لُڑھکتا پھر رہا تھا - جھٹکوں سے کئی رسّے، جن سے سامان باندھا گیا تھا ، ٹوٹ گئے تھے - جہاز کا عملہ پانی نکالنے میں مصرُوف تھا، جب کہ مسافروں کی چیخ پُکار سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی -

جہاز کا کپتان وقفے وقفے سے مسافروں کو پُر سکُون رہنے کی ہدایات نشر کر رہا تھا اور اُنھیں دُعا کے لیے کہہ رہا تھا - بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج سے دل دہل رہے تھے - سمُندر کی بپھری ہُوئی لہریں جہاز کو کھلونے کی طرح اُچھال رہی تھیں - جہاز کا سارا نِظام درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا -

عامِر اور عمّار کو مُورتی والے بکس کی فکر تھی - اس لیے کہ سامان جہاز کے جھٹکوں سے ایک دُوسرے سے ٹکراتا اور لُڑھکتا پھر رہا تھا - مُورتی کے صندوق کے گِرد باندھا ہوا رسّا آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا، لیکن ابھی تک صندوق کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا تھا - دونوں بھائی اپنے کیبن سے صندوق پر نظر رکھے ہُوئے تھے -

طوفان کی شدّت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ سیاہ آسمان پر بجلیوں کا جال بن اور بگڑ رہا تھا۔ بارش کی شدّت بھی قائم تھی۔

اچانک آندھی کا ایک تیز جھونکا جہاز سے ٹکرایا اور جہاز سوکھے تنکے کی طرح ہلکورے کھانے لگا۔ مورتی کے صندوق کی رسّی ٹوٹ گئی اور صندوق زمین پر لڑھکتا ہوا ریلنگ کی طرف جانے لگا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر عامر نے کیبن کا دروازہ کھولا اور صندوق کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور صندوق کو، جسے بپھری ہوئی لہریں اپنے ساتھ سمندر میں لے جانا چاہتی تھیں، بچاتے ہوئے، لہروں کے تھپیڑوں کے ساتھ خود ریلنگ سے ٹکرا کر سمندر میں جا گرا۔ عملے کے آدمیوں نے ایک مضبوط رسّے کو صندوق کے گرد لپیٹ کر اُسے تو بچا لیا لیکن عامر سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کی نذر ہوگیا۔

بھائی کو سمندر میں گرتے دیکھ کر عمّار کیبن سے باہر آگیا اور ریلنگ سے جھک کر دیکھا۔ اُسی وقت عامر کا سر لہروں کے اندر سے پانی کی سطح پر اُبھرا۔ عمّار نے بھائی کی طرف رسّا پھینکا اور کہا:

"عامر! اس رسّے کو پکڑنے کی کوشش کرو۔

ایک سمُندر تو کیا سات سمُندر مِل کر بھی تمھیں مجھ سے
نہیں چھین سکتے۔"

رسّا عامِر سے چند فُٹ کے فاصلے پر، لہروں کے
ساتھ، سانپ کی طرح لہراتا پھر رہا تھا۔ لیکن طوفانی موجیں
عامِر کو رسّا پکڑنے کی مُہلت دینے کو تیّار نہ تھیں۔
سرکش موجوں کا مُقابلہ کرتے کرتے عامِر کے بازُو شل ہو
رہے تھے اور آہستہ آہستہ قوّت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ آندھی
کے جھونکے اور طوفان کی شِدّت عامِر اور رسّے میں فاصلہ
بڑھا رہی تھی۔ نصیر اور عِرفان عمّار کو مضبُوطی سے تھامے
ہوئے تھے، جو بھائی کی مدد کرنے کے لیے خود سمُندر میں
کُود کر اپنی جان گنوانی چاہتا تھا۔

یکایک آسمان پہ زور سے بجلی چمکی۔ ایک دفعہ پھر
لہروں کے درمیان سے عامر کا سر سطح پہ آیا۔ اُس نے
پھر کوشش کر کے رسّے کو پکڑنا چاہا لیکن اُس کی یہ
کوشش بھی موجوں کے تھپیڑوں نے ناکام بنا دی۔
طوفانی لہریں ایک دفعہ پھر اُسے تہ کی طرف لے
گئیں۔ جہاز کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور ریلنگ کے
پاس کھڑے ہُوئے کئی آدمی عرشے پر گر پڑے۔ ایک
دفعہ پھر بکھرا ہوا سامان اِدھر اُدھر لُڑھکنے لگا۔ لیکن اِس

میں مُورتی والا صندوق نہیں تھا۔ اُسے نصیر اور عرفان نے پہلے ہی مضبُوط رسّے سے جکڑ دیا تھا۔

عمّار نے جو ساتھیوں کی گرفت سے آزاد ہو چُکا تھا، دوبارہ بھائی کو بچانے کے لیے سمندر میں کُودنے کی کوشش کی، لیکن عِرفان نے اُسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ تمام لوگ سردی سے کانپ رہے تھے لیکن سب کی نظروں کا مرکز عامِر تھا۔ ایک دفعہ پھر لہروں نے اُسے سطح کی طرف اُچھال دیا تھا۔ اب اُس میں اِس خوفناک طُوفان سے مُقابلہ کرنے کی سکت نہ رہی تھی۔ اُس کا انگ انگ پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ طُوفان نے اُسے رُوئی کی طرح دُھنک کر رکھ دیا تھا۔ اُس کے بازُو شل ہو چُکے تھے۔ لیکن شاید اُس کی زندگی ابھی باقی تھی۔ عین اُس وقت جب وہ پانی کی سطح پر اُبھرا، ہوا کے ایک تھپیڑے نے تیرتے ہوئے رسّے کو اُس کے اُوپر لا پھینکا، اور پھر لہروں نے اُس رسّے کو اُس کے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر عمّار، عرفان اور نصیر کی آنکھوں میں خوشی کے آنسُو آ گئے۔ عمّار نے چیخ کر کہا:

"عامِر! خُدا کے واسطے اپنے اوسان خطا نہ ہونے

دو۔ رسّے کو مضبُوطی سے تھامے رکھو۔"

بھائی کی آواز نے عامر کے مُردہ جسم میں توانائی پیدا کر دی۔ اُس نے موت کے خلاف جدّوجہد کرتے ہُوئے اپنے بازوؤں کے ساتھ رسّے کو اچھّی طرح لپیٹ لیا اور عمّار اور نصیر نے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے اُسے اُوپر کھینچنا شُروع کر دیا۔ یہ سب لوگ اُسے طوفانی ہواؤں اور خُونی لہروں کے چُنگل سے چھین کر جہاز کی سمت لا رہے تھے۔ آخر ایک طویل جدّوجہد کے بعد وہ عامر کو دوبارہ جہاز پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

عامر کا جسم برف کی طرح سرد تھا اور وہ خزاں رسیدہ پتّے کی مانند کانپ رہا تھا۔ عمّار نے جلدی سے بھائی کو اپنے کندھے پر اُٹھایا، کیبن میں لا کر اُس کے بھیگے ہُوئے کپڑے تبدیل کیے اور پھر اُسے بستر پر لٹا کر کمبلوں سے اچھّی طرح ڈھانپ دیا۔ اُسی وقت کپتان ڈاکٹر کے ساتھ کیبن میں داخل ہُوا اور ڈاکٹر نے انجکشن لگا کر عامر کے جسم کو حرارت پہنچائی۔

اب آہستہ آہستہ سمندر کا جوش کم ہو رہا تھا۔ سُورج دن بھر کا سفر طے کر کے کُندن کی طرح دمکتے ہوئے پانی میں غرُوب ہو رہا تھا۔ آسمان قدرے نکھر گیا تھا اور نارنجی

رنگ دُور دُور تک پھیلا نظر آ رہا تھا۔

کافی دیر آرام کرنے کے بعد اب عامِر اپنے آپ کو توانا محسُوس کر رہا تھا۔ اُس نے بستر سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ عمّار کیبن میں موجُود نہ تھا۔ عامِر اُس کی تلاش میں باہر نکل گیا۔ اُس کا بھائی جہاز کے عملے کے ساتھ مل کر بکھرے ہُوئے سامان کو دُوبارہ سٹ کر رہا تھا۔ مُورتی کا بکس اب دوبارہ اپنی جگہ پہنچا دیا گیا تھا۔ جوں ہی وہ بکس کی طرف بڑھا، عمّار نے اُسے دیکھ لیا۔ وہ اُسے زبردستی کمرے میں آرام کرنے کے لیے لے آیا۔ اِس کے بعد عامِر کے منع کرنے کے باوجود ڈاکٹر نے اُس کا مُعائنہ کیا اور اُس کی توانائی بحال کرنے کے لیے ایک اور انجکشن لگایا۔ پھر اُسے مکمّل آرام کرنے کی ہدایت کی اور واپس چلا گیا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی عامِر نے عمّار سے پُوچھا:

"مُورتی والے بکس کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟ میں نے دیکھا کہ بیشتر سامان کی توڑ پھوڑ ہوئی ہے۔"

عمّار نے جواب دیا "لکڑی کے بکس پر چڑھے ہوئے پترے ایک جگہ سے اُکھڑ گئے ہیں۔ باقی حصّہ ٹھیک ہے۔ اندر مُورتی کا کیا حال ہے، یہ تو صندوق کو کھول کر

ہی معلوم ہو سکتا ہے۔"

عامر نے جواب دیا "ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہم نے یہ امانت جوں کی توں قاہرہ کے عجائب گھر کے منتظم کے حوالے کرنی ہے۔ اُس کی موجودگی میں اسے کھولا جائے گا۔"

عمّار نے کہا "جو مورتی سینکڑوں سال سے زندہ ہے اور اپنی توہین کا انتقام لے سکتی ہے، وہ بکس کے اندر بھی آرام سے سو رہی ہو گی۔ ویسے بھی بھیّا، جب اُس کا جی اُکتاتا ہوگا تو وہ اِن بندشوں سے آزاد ہو کر سمندر کی سیر کر لیتی ہو گی۔"

اِس بات پر دونوں نے قہقہہ لگایا، لیکن یہ قہقہہ جلد ہی اُن کے حلق میں گھُٹ کر رہ گیا۔ ایک پھڑپھڑاتا ہُوا پرندہ کھڑکی میں سے داخل ہو کر عمّار کے قدموں میں گر پڑا۔ اُس کے گلے میں ایک چِٹ بندھی ہوئی تھی۔ عمّار نے جلدی سے وہ چِٹ اُتار لی۔ پرندہ کھڑکی میں سے باہر اُڑ گیا۔ عامر نے بے تابی سے کہا:

"عمّار، اِسے پڑھو۔ کیا لکھا ہے؟"

عمّار نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:

نادان لڑکو! اب بھی تمھاری آنکھیں نہیں کھُلیں؟ کیا

سمندری طوفان میری ناراضی کا اِظہار نہ تھا؟ میں چاہتا تو تمھارے اِس جہاز کو سمندر کے گہرے پانیوں میں غرق کر دیتا۔ لیکن تم لوگوں کے ساتھ سینکڑوں بے گناہ لوگوں کی جانیں بھی جاتیں۔ کیا عامِر کے بازوؤں میں اتنی طاقت تھی کہ وہ خوف ناک لہروں کا مُقابلہ کر سکتا؟ کیا وہ رسّا خُود بخُود اُچھل کر سانپ کی مانند اِس کے گرد لپٹ گیا تھا؟ اگر تم لوگ ایسا سمجھتے ہو تو بڑے نادان ہو۔ آج نہیں تو کل تمھیں میرے وجود کو تسلیم کرنا ہوگا۔ مُورتی۔

دونوں بھائیوں نے حیرت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور پھر عامر نے کہا "مُجرِم کتنا دیدہ دلیر ہے۔ ہم سے چُوہے بلّی کا کھیل کھیل رہا ہے۔ افسوس! ہم ابھی تک اُس کا سراغ لگانے میں ناکام رہے ہیں۔"

"بھائی، میرا خیال ہے مُجرِم آج رات ضرور کوئی کارروائی کرے گا۔ ہمیں ہوشیاری سے بکس کی حِفاظت کرنی ہو گی۔"

عامِر نے جواب دیا "تمھارا خیال دُرست ہے۔ ہم آج اُس مُجرِم کو پکڑنے میں ضرُور کامیاب ہوں گے۔ اب ہمیں آرام کرنا چاہیئے، کیوں کہ ہمیں رات بھر جاگنا ہے۔"

اِس کے بعد دونوں بھائی اپنے اپنے بستروں پر

لیٹ گئے۔

جہاز سمندر کی وسعت میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں رینگ رہا تھا، اور عرشے پر پھیلے ہوئے سامان کے درمیان کوئی سایہ مورتی کے بکس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ عامر نے کہنی مار کر عمار کو ہوشیار کیا۔ دونوں بھائی ایک ٹریکٹر کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ جہاز کا عملہ اور مسافر گہری نیند سو رہے تھے اور جہاز میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

عمار نے بھائی کے اشارے پر سائے کی طرف دیکھا اور پھر دونوں تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ جوں ہی سایہ مورتی کے صندوق کے پاس آیا اور اس نے ہتھوڑا اور دوسرے اوزار نکال کر زمین پر رکھے، دونوں بھائی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگے۔ اور جب ان کی نظر سائے کے چہرے پر پڑی تو ایک دفعہ پھر حیرت کا پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا۔ یہ ہشام تھا۔ اس نے اپنے ہتھوڑے سے مورتی کے بکس پر ضرب لگائی تو دونوں بھائی آڑ میں سے نکل کر اس کے سامنے آ گئے۔

"ہشام! یہ تم کیا کر رہے ہو؟" عامر نے ڈانٹ کر کہا۔

ہشام نے لاپروائی سے جواب دیا" آنکھیں رکھتے

ہُوئے بھی اندھوں کی طرح سوال کر رہے ہو؟ جانتے نہیں، میں جہاز پر بڑھئی کا کام کرتا ہوں۔ ٹوٹے ہوئے سامان کی مرمّت کرنا میرے فرائض میں شامل ہے۔ اِس بکس پر سے دھات کے پترے اُکھڑ گئے ہیں۔ میں اِنھیں دوبارہ لگا رہا ہوں۔"

عمّار نے سوال کیا "تُم نے اِس کام کے لیے کپتان سے اِجازت لے لی ہے؟"

ہِشام نے نفرت سے جواب دیا "کیا یہ ضروری ہے کہ میں اپنا فرض ادا کرنے کے لیے ہر بار کپتان سے اِجازت لوں؟ یہ میری ڈیوٹی ہے اور اِسی کی تنخواہ میں لیتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے صندوق کے ٹُوٹے ہُوئے حِصّے کی مرمّت شروع کر دی۔ عامِر اور عمّار بے بسی سے کبھی اُسے اور کبھی ایک دُوسرے کو دیکھتے۔ جب تک اُن کے پاس کوئی ٹھوس ثبُوت موجود نہ ہوتا، وہ اس کا کچُھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔

صُبح کو دونوں بھائی کپتان کے کیبن میں بیٹھے نقشہ دیکھ رہے تھے کہ کپتان ایک کاغذ ہاتھ میں لیے اندر داخل ہُوا اور بولا:

"یہ ریڈیو گرام تمھارے نام ہے۔"

عامر نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:

عامر اور عمار، کیا آپ دونوں روباسہ آسکتے ہیں؟ آپ کے لیے ہیلی کاپٹر بھیج دیا جائے گا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر جواب دیں۔ صفدر جاوِ دانی۔ پاکستانی سفیر برائے روباسہ۔

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا، اور پھر عامر نے کہا "ایسے حالات میں ہم اِس بکس کو چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔ اور پھر ہمیں یہ بھی پتا نہیں کہ سفیر صاحب ہمیں کیوں بُلا رہے ہیں۔"

"حیرت ہے! اُنھیں ہماری جہاز پر موجُودگی کا کیسے عِلم ہو گیا؟" عمّار بولا۔

"نصیر اور عِرفان بھی ریڈیو گرام کا سُن کر وہاں آگئے تھے۔

عامر نے عمّار کی بات کا جواب دیتے ہُوئے کہا:

"خیر، یہ تو کوئی مُشکل بات نہیں۔ بہُت مُمکن ہے سفیر نے ہمارے گھر پر کال کی ہو اور والِدہ نے اُنھیں ہمارے پروگرام سے مُطّلع کر دیا ہو۔"

عامر نے کپتان سے پُوچھا "آپ کا کیا خیال ہے؟

ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟ آپ تمام حالات سے اچھّی طرح واقِف ہیں ۔"

کپتان نے جواب دیا "میرا خیال ہے تم لوگوں کو اپنے ملک کے سفیر کی بات مان لینی چاہیئے۔ باقی رہ گئی اِس مُورتی کے بکس کی حفاظت، تو میں بھی اِس پر نظر رکھوں گا، اور تُمھارے یہ دوست بھی اِس کی نگرانی کریں گے۔ اگر تمھیں سفیر نے جلدی فارغ کر دیا تو تُم ہمیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے مِصر کی بندرگاہ اِسکندریہ پر مِل سکتے ہو۔ وہاں جہاز کافی دیر رُکے گا ۔"

"شکریہ، کپتان صاحب" عامِر نے کہا اور پھر دونوں بھائی اپنے کیبن کی طرف تیّاری کرنے کے لیے چل دیئے کیبن میں آنے کے بعد عمّار نے عامِر کو سوچ میں ڈوبے دیکھا تو پُوچھا:

"کیا سوچ رہے ہو ؟ لگتا ہے تُمھارا دل مُطمئِن نہیں ہے ۔"

"تُمھارا خیال دُرست ہے ۔ ذرا تُم بھی غور کرو۔ ہمیں اِس مُورتی سے دُور رکھنے کی یہ سازِش بھی ہوسکتی ہے۔ مُورتی کے پلاسٹک کے لباس پر لکسر کا نام لکھا دیکھنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ گو چوری سری لنکا کے

دارُالحکومت کولمبو کے عجائب گھر سے ہوئی ہے، لیکن اِس کا تعلّق مِصر کے علاقے لکسر سے ضرور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے گروہ نے جس کا مقصد مُورتی کو حاصل کرنا ہے، پاکستانی سفیر کا نام اِستعمال کر کے ہمیں اِغوا کرنے کا پروگرام بنایا ہو۔"

عمّار نے کہا "اگر تمھارا خیال صحیح بھی ہے تو بھی ہمیں چوروں کا پتا لگانے کے لیے لکسر جانا ہوگا۔ ایک سُراغ رساں کی زندگی خطرات میں گھِری ہوتی ہے۔ خطرے میں پڑے بغیر مُجرِموں تک پہنچنا مُمکن نہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں یہ خطرہ ضرور مول لینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ خطرہ مول لیے بغیر تو کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا،" عامِر سوچتے ہوئے بولا۔

اِس کے بعد دونوں بھائی جہاز کے عرشے پر آ گئے، جہاں کپتان کے عِلاوہ نصیر اور عِرفان بھی اُنھیں الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ کپتان نے اُنھیں بتایا کہ وائرلیس پر رُوباسہ میں مُقیم پاکستانی سفیر کو تم لوگوں کی رضا مندی کی اِطّلاع دے دی گئی ہے۔

اُسی وقت دُور سے اُنھیں ایک نُقطہ سا اِس سَمت آتا نظر آیا۔ کپتان نے کہا: ہیلی کاپٹر ہے، شاید

اِدھر ہی آ رہا ہے۔
دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر جہاز کے قریب آکر عرشے پر اُتر گیا اور دونوں بھائی اُس میں سوار ہو گئے۔

موت کے ہرکارے

جُوں ہی ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا، عامر نے پائلٹ سے سوال کیا:
"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہمیں سفیر صاحب نے کیوں بُلایا ہے؟"
پائلٹ نے جواب دیا "اس کا جواب میرے پاس نہیں، اور نہ اِس قسم کا جواب دینے کی مجھے اِجازت ہے۔ میری ڈیوٹی صرف حُکم کی تعمیل کرنا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو رُوباسہ کے جزیرے کے دارُالحکومت لوما میں اُتار دوں۔"
ہیلی کاپٹر کافی دیر اُڑتا رہا اور اِس عرصے میں مُکمّل خاموشی طاری رہی۔ آخر پائلٹ نے اِس خاموشی کو توڑا اور نیچے اِشارہ کرکے اِن کو بتایا کہ ہم اب روباسہ کے

جزیرے پر پرواز کر رہے ہیں۔

ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔ سفر ختم ہو گیا اور پھر ہیلی کاپٹر نے آخر لوما کی زمین کو چھُو لیا۔ ہیلی کاپٹر کا انجن بند کرنے کے بعد پائلٹ نے اُس کا دروازہ کھول دیا۔ عامر اور عمار نے ایک خُوب صُورت لیکن توانا آدمی کو سیاہ شیشوں کی عینک لگائے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اُس کے پیچھے ایک سیاہ رنگ کی کار کھڑی تھی، جس کی وِنڈ سکرین بھی سیاہی مائل اور دروازوں کے شیشے بھی ڈارک رنگ کے تھے۔ اُس آدمی نے آگے بڑھ کر اپنا تعارُف کروایا:

"مجھے ایُّوب خٹک کہتے ہیں۔ آپ دونوں کو پاکستانی سفارت خانے پہنچانے کی ڈیوٹی میری ہے۔ کار میں بیٹھ جائیں۔ ذرا جلدی کریں، اِس لیے کہ اِس جزیرے پر موت دبے پاؤں انسان کی طرف بڑھتی ہے۔"

عامر نے کہا "موت سے کھیلنا ہمارا محبُوب مشغلہ ہے۔ جہاں تک کار میں بیٹھنے کا تعلق ہے، تو یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک آپ شناختی کارڈ نہ دکھا دیں۔"

ایُوب نے پرس سے شناختی کارڈ نکال کر دکھایا جس پر اُس کا عہدہ اور تصویر لگی ہُوئی تھی، اور پھر مُسکرا کر کہا:

"اگر آپ لوگ مُطمئِن ہو گئے ہوں تو کار میں بیٹھ جائیں"۔

کار کے اندر دو آدمی اِسٹین گنیں لیے بیٹھے تھے۔ عامر نے فرنٹ سیٹ پر نگاہ ڈالی تو وہاں بھی ایک آدمی رائفل لیے موجود تھا۔ ابھی عامِر خطرے کی بُو سُونگھنے بھی نہ پایا تھا کہ دونوں بھائیوں کو اندر دھکیل دیا گیا۔ اُسی وقت باہر سے کسی نے اسٹین گن کا برسٹ مارا۔ کار کے شیشے فائر پُروف تھے، اِس لیے گولیاں اِن پر لگ کر پھسلتی چلی گئیں۔

ایُوب بجلی کی سی تیزی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور کار فرّاٹے بھرتی ہوئی روانہ ہوگئی۔ تھوڑی دُور جا کر عامِر نے ایُوب کو مُخاطب کرتے ہوئے کہا:

"یہ سب کیا ہے؟"

ایُوب نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا "میں نے کہا تھا نا کہ یہاں موت دبے پاؤں انسان کی

طرف بڑھتی ہے۔"

اب عمّار نے سوال کیا "آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ کیا ہمیں اِغوا کیا جا رہا ہے؟"

ایُّوب نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا "آپ کو جلدی ہی سب کچھ معلُوم ہو جائے گا۔ آخر اِتنی گھبراہٹ کیا ہے؟ سُراغ رساں کا دل لوہے کا اور کلیجا پتھر کا ہوتا ہے۔ لیکن آپ تو کسی قِسم کے اِمتحان میں پڑنے سے پہلے ہی بوکھلا گئے ہیں۔"

عامِر نے عمّار کی طرف دیکھا اور پھر دونوں خاموش ہو گئے۔

کار تیزی سے سفر کرتی ہُوئی ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئی جہاں تا حدِّ نِگاہ چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں اور اُن کے درمیان سے سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی جا رہی تھی۔ اچانک اُنھوں نے چٹانوں کی اوٹ سے پندرہ بیس موٹر سائیکل سوار نکلتے دیکھے۔ اُنھوں نے کار کا تعاقُب شروع کر دیا۔ کار ڈرائیور نے کار کی اِسپیڈ بڑھا دی۔ دُوسری طرف موٹر سائیکل سواروں نے بھی اسی اِسپیڈ پر اپنی موٹر سائیکلیں چھوڑ دیں۔ اُن کا لیڈر ہیلمٹ پہنے کاواساکی موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ وہ

سب کار کے دائیں اور بائیں رہ کر اِس کوشش میں تھے کہ کار کو دھکیل کر ان خطرناک چٹانوں سے ٹکرا دیں۔

یہ ریس اِنتہائی خطرناک تھی۔ کئی دفعہ موڑ کاٹتے ہُوئے کار چٹانوں سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور کئی جگہ اُس کے اُلٹ جانے کا خطرہ ہُوا۔ عامر اور عمّار کو حیرت تھی کہ یہ نوجوان موٹر سائیکل سوار کون ہیں اور اِس قسم کی حرکت سے اُن کا مقصد کیا ہے۔ آخر جب صُورتِ حال اور زیادہ خطرناک ہوگئی اور ڈرائیور نے اندھا دُھند کار کی رفتار میں اِضافہ کر دیا تو عامر سے نہ رہا گیا۔ اُس نے کہا:

"شاید یہ لوگ آپ کے دوست ہیں۔"

"اِس بات کا اندازہ آپ نے کیسے لگایا، حالاں کہ زندگی اور موت کار کے دائیں بائیں سے گزر رہی ہے؟" ایُّوب نے پُوچھا۔

"اِس لیے کہ آپ اِن کے خلاف ہتھیار اِستعمال نہیں کرتے" عامر بولا۔

ایُّوب نے جواب دیا "افسوس! ہمیں اسلحہ اِستعمال کرنے کی اِجازت نہیں ہے۔"

"خواہ یہ لوگ اِس کار کو چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہی کیوں نہ کر دیں؟" عامر نے کہا۔

عمّار نے کہا، "دُنیا میں امن پسندی کی اِس سے بڑی مثال کہیں نہیں ملے گی۔"

ایُّوب نے بڑے تحمّل سے اپنے ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے کہا:

"یہ ہمارے اسلحہ کی مہربانی ہے کہ یہ لوگ صرف تعاقب ہی کر رہے ہیں، ورنہ اب تک گولیوں کی بارش بھی ہو سکتی تھی۔"

اِس سے پیشتر کہ عامر یا عمّار کچھ کہتے، کار ایک چٹان سے ٹکرا کر زور سے اُچھلی۔ اندر بیٹھے ہُوئے لوگوں کے سر چھت سے ٹکرا گئے لیکن خیریت یہ ہُوئی کہ کار چٹان سے ٹکرا کر اُس کے اُوپر سے ہوتی ہوئی دوسری طرف سڑک پر اِس طرح جا گری کہ اُس کے چاروں پہیے زمین سے جا لگے، ورنہ اُس کے اُلٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ کار کے اندر بیٹھے ہر آدمی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایک دفعہ پھر عامر نے سوال کیا:

"اِن دو گروہوں کے تصادم سے بھلا ہمارا کیا واسطہ؟ ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

ایُّوب نے جواب دیا "آپ کا بھی اِس تصادم سے وہی تعلّق ہے جو ہمارا ہے، اور اِس تعلّق کے بارے

میں آپ بہت جلد جان جائیں گے۔"

اب کار چٹانوں والے خطرناک راستے کو عبور کر آئی تھی اور موٹر سائیکل سواروں کا گروہ اچانک ہی اُن چٹانوں میں گُم ہو گیا تھا۔ پھر جلدی ہی کار ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے آ رُکی، جس پر امپیریل ہوٹل کا خستہ اور ٹوٹا ہُوا بورڈ لگا تھا۔

ایوّب اِن لوگوں کو لے کر اُس ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اسلحہ والے آدمی کار ہی میں رہ گئے۔ ایک لمبی راہ داری سے گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہُوئے، جہاں کاؤنٹر پر ایوّب نے ایک شخص کو اپنا کارڈ دکھایا اور وہ اُس کے پیچھے پیچھے ایک راہ داری سے گزرتے ہُوئے ایک مختصر سے کمرے میں داخل ہوئے اور اِس کے بعد ایک تاریک سے تہ خانے کی سیڑھیاں اُترنے لگے۔ سیڑھیوں کے خاتمے پر ایک دروازہ تھا جو اندر سے بند تھا۔ ایوّب نے تین بار دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر اِنتظار کے بعد کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ کُھل گیا۔

جُوں ہی عامر اور عمّار کی نظر دروازہ کھولنے والے پر

پڑی ، اُن کے مُنھ حیرت سے کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔اِس تاریک تہ خانے کے اِس تاریک کمرے میں اُن کے سامنے اُن کے ڈیڈی شہاب زیدی کھڑے مسکرا رہے تھے۔ زیدی صاحِب نے اپنے بیٹوں کو سینے سے لگا لیا اور اندر کمرے میں لے گئے ، جہاں دو اَدھیڑ عُمر کے آدمی پہلے سے موجود تھے۔ شہاب صاحِب نے تعارُف کرواتے ہُوئے کہا:

"یہ میرے بیٹے عامر اور عمّار ہیں۔ اور یہ ہیں روباسہ میں پاکستان کے سفیر"

دونوں بھائیوں نے سفیر سے ہاتھ ملایا۔ اِس کے بعد شہاب صاحب نے دوسرے شخص کا تعارُف کرواتے ہُوئے کہا "اور آپ ہیں کرنل نجیب۔ روباسہ کی خُفیہ پولیس کے چیف"

تعارُف کے بعد عامر اور عمّار نے موٹر سائیکل والے گروہ کے مُتعلق بتایا تو شہاب زیدی نے جواب دیا "بیٹے، یہی وہ اِنتہائی خطرناک گروہ ہے جو اِس ملک میں انقلاب کی تیاری کر رہا ہے اور موجودہ حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتا ہے۔ ان لوگوں کو قریبی جزیرے مل بن کے راستے اسلحہ پہنچ رہا ہے اور وہاں کی حکومت اِن کی پشت پناہی

کر رہی ہے ۔ اِسی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے اور میں نے اپنی اِمداد کے لیے تم دونوں کو لوما بُلوایا ہے ۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ مُورتی کے بکس کا کیا بندوبست کر کے آئے ہو ؟"

عامِر نے جواب دیا " اُس کی فکر نہ کریں ۔ جہاز کے کپتان حمید راشدی کے عِلاوہ ہمارے دوست عِرفان اور نصیر بھی اُس کی حفاظت کر رہے ہیں ۔ آپ یہ بتائیں کہ ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں ؟"

شہاب صاحب کی بجائے خُفیہ پولیس کے چیف کرنل نجیب نے جواب دیا " ہمارے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے تمام آدمی مقامی یعنی اِسی مُلک کے ہیں ، اِس لیے باغی اُن کو پہچانتے ہیں ۔ ہم جہاں بھی جاتے ہیں ، اُن لوگوں کو اِس کا عِلم ہو جاتا ہے ۔ تم لوگ ہمارے لیے بہتر کام کر سکتے ہو ، کیوں کہ باغی تم سے ابھی واقِف نہیں ہیں "

عامِر نے کہا " آپ ہمیں بتائیں ، ہم آپ کی کیا خِدمت کر سکتے ہیں ؟"

کرنل نجیب نے کہا " ذرا غور سے سُنو ۔ یہاں ، لوما شہر میں ایک یہُودی کا مکان ہے جہاں ایک عیسائی نیوٹن

کئی سال سے رہتا ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ نیوٹن باغیوں کا سرغنہ ہے، اور یہی مکان اُن کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ چند روز سے اِس مکان کا نل خراب ہے، اور مالکِ مکان اُس کی مرمّت کرانا چاہتا ہے۔ تم دونوں وہاں پلمبر کی حیثیّت سے جاؤ گے اور اسلحہ کے گودام کا پتا چلاؤ گے۔

عامر نے کہا "لیکن ہم تو نلکے مرمّت کرنے کا کام بالکل نہیں جانتے۔"

کرنل نجیب نے جواب دیا "اِس کی فکر مت کرو۔ مرمّت کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

شہاب صاحب نے کہا "باہر ایک وین کھڑی ہے، جس میں اوزار اور لباس موجود ہیں۔ اور یہ رہا مالکِ مکان عذرا یہودی کا خط، جس میں اُس نے پلمبر یونین کو لکھا ہے کہ اُس کے مکان کے نلکوں کو چیک کیا جائے۔ دیر مت کرو۔ اِسی وقت روانہ ہو جاؤ۔

باغیوں کا گڑھ

دروازہ کھولنے والا خود نیوٹن ہی تھا۔ عامر نے عذرا یہودی کا خط اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اگر آپ مسٹر نیوٹن ہیں تو اِس مکان کے مالک عذرا یہودی کا یہ خط مُلاحظہ فرمائیں۔ اُنھوں نے لوما پلمبر یونین کو اپنے مکان کے نلکے چیک کرنے کے لیے کہا ہے۔"

خط دیکھنے کے بعد نیوٹن نے عامر اور عمّار کو غور سے دیکھا جو پلمبروں کے لباس میں تھے، اور پھر سوچ کر بولا "تم اندر آ سکتے ہو۔ میرے ساتھ میری ماں رہتی ہے جو اِس وقت باہر گئی ہوئی ہے۔ تم مکان کا تہ خانہ اور باتھ رُوم وغیرہ چیک کر سکتے ہو اور ذرا جلدی کرنا کیونکہ میری ماں کسی غیر شخص کا گھر میں آنا پسند نہیں کرتی۔"

اندر داخل ہونے کے بعد عمّار نے عامر سے کہا "میں تہ خانے کے پائپ چیک کرتا ہُوں اور تم اُوپر کے حِصّے کو دیکھ لو۔"

عمار تہ خانے کی سیڑھیاں اُترنے لگا تو اُس نے اپنے پیچھے نیوٹن کے قدموں کی چاپ سُنی۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ تہ خانے میں آنے کے بعد عمار نے ایک کمرے کے دروازے پر تالا پڑا دیکھا تو نیوٹن سے کہا "ذرا اِس کمرے کے تالے کو کھول دیں تاکہ میں پائپ کو چیک کر لوں۔"

نیوٹن نے ناگواری سے جواب دیا "تمھیں اِس کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اِس میں سے کوئی پائپ نہیں گزرتا۔ شاید تم اپنی آنکھیں بند کرکے کام کرنے کے عادی ہو۔"

عمار سمجھ گیا کہ اِس بند کمرے میں ضرور کوئی ایسی چیز ہے جس کے لیے نیوٹن نے یہاں تالا لگا رکھا ہے۔ دُوسری طرف عامر نے اُوپر کے تمام کمروں کو چیک کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُسے کسی بھی کمرے میں ایسے آثار نہ ملے جن سے معلوم ہوتا کہ یہاں رہتی ہے آخر وہ نیوٹن کے بیڈ رُوم میں گھس گیا اور اُس کی ہر چیز کا غور سے مُعاینہ شروع کر دیا۔ ایک چھوٹی سی میز پر ایک تہ کیا ہوا کاغذ پڑا تھا۔ اُس نے کھول کر پڑھا "اسلحے کا نیا اِسٹاک روانہ کر دیا گیا

ہے۔ اِسٹور کیے ہوئے ہتھیاروں کو حفاظت سے استعمال کرو اور کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے لکسر سے رجُوع کرو۔" اِس کے ساتھ ایک فون نمبر بھی تھا۔

خط میں لکسر کا نام دیکھ کر عامر حیرت میں پڑ گیا۔ مِصر کے اِس شہر کا روباسہ سے کیا تعلّق ہو سکتا ہے؟ اُسی وقت سیڑھیوں پر قدموں کی آواز سُنائی دی۔ عامر جلدی سے غُسل خانے میں جا گھُسا اور خوا مخواہ ایک بولٹ کو کھولنا شروع کر دیا۔ اُس کا دماغ اُس تحریر اور فون نمبر میں اُلجھا ہُوا تھا۔ اُسے اُس وقت ہوش آیا جب بولٹ کُھل کر نیچے گر پڑا اور پانی کی دھار اُس کے مُنھ پر پڑنے لگی۔

اُسی وقت نیوٹن اور عمّار اندر داخل ہُوئے۔ عامر نے پانی کو بند کرنے کی کوشش کی لیکن پانی کے دباؤ کی وجہ سے بولٹ کو ٹھیک سے فِٹ کرنے میں ناکام رہا۔ نیوٹن نے اُس کی اِس حرکت پہ قہقہہ لگایا۔ یہ دیکھ کر عمّار بھائی کی مدد کو لپکا اور بڑی مشکل سے دونوں بھائی بولٹ کو کسنے میں کامیاب ہُوئے۔ دونوں کے کپڑے

0322-7274483

بھیگ گئے تھے۔

بولٹ کسنے کے بعد وہ واپس اپنی دین میں آئے تو عمّار نے عامِر کو بتایا کہ تہ خانے میں ایک کمرا ایسا ہے جس میں تالا لگا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے اُس میں کوئی خاص چیز موجُود ہے۔

عامِر نے کہا "وہ خاص چیز اسلحہ ہی ہو سکتی ہے"۔ یہ کہہ کر اُس نے اُس تحریر کے متعلّق عمّار کو بتایا۔ عمّار نے خوش ہو کر کہا "یقیناً اسلحہ اُسی کمرے میں ہی موجُود ہے"۔

عامِر نے کہا "شکر ہے وہ کم بخت بولٹ قابُو میں آگیا ورنہ ہمارا سارا بہرُوپ کھُل جاتا۔ اناڑی اور کاری گر کے فرق کو شاید نیوٹن پہچان نہیں سکا"۔

عمّار نے جواب دیا "پہچان جاتا تو اُس مکان سے باہر نکل آنا ہمارے لیے اتنا آسان نہ ہوتا۔ اب کیا اِرادہ ہے؟"

عامِر نے جواب دیا "اِس کارروائی کی رپورٹ ہمیں ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک کو دینی ہو گی۔ وُہ اُسے ڈیڈی اور کرنل نجیب کو پہنچا دے گا"۔

اُنھوں نے ایک پبلک فون بُوتھ سے اپنی

رپورٹ ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک کو دی۔ اِس کے بعد عامر نے نیوٹن کے بیڈ رُوم والے نمبر پر فون کیا اور نیوٹن کی آواز میں ریسیور اُٹھانے والے کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا:

"اپنے موجُودہ منصُوبے کے مُتعلّق بتاؤ۔ یہ اِس لیے ضروری ہے کہ سی آئی ڈی کو ہمارے منصُوبے کے مُتعلّق عِلم ہو گیا ہے۔ ابھی ابھی میرے آدمیوں نے مُجھے اِطلاع دی ہے"

دوسری طرف والے آدمی نے قدرے ناگواری سے جواب دیا "نیوٹن، تمھیں معلُوم نہیں کہ اِس قِسم کی باتیں ٹیلے فون پر کرنے کی مُمانعت ہے؟ تمھیں جو کچھ بھی معلُوم کرنا ہے، بیکن آکر معلُوم کرو" اور اِس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے سِلسلہ مُنقطع ہو گیا۔

عامِر نے عمّار سے کہا "جانتے ہو، اُس آدمی نے کیا جواب دیا ہے؟ اُس نے بیکن بُلایا ہے۔ نہ جانے یہ بیکن کیا بلا ہے"

"بہتر ہوگا کہ ہم پولیس کے کسی سپاہی سے معلوم کریں" عمّار بولا۔

دونوں لوما کے بارونق بازار میں آگئے، جہاں

ایک پولیس سارجنٹ ٹریفک کنٹرول کر رہا تھا۔ اُنھوں نے اُس سے بیکن کے بارے میں پُوچھا تو اُس نے جواب دیا "بیکن ایک پہاڑی ہے، جس پر ایک بجلی گھر کی عمارت ہے"۔ پھر اُس نے اُن کو راستے کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

دونوں بھائی وین میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور آخر اُس پہاڑی کے پاس پہنچ گئے جس کے اُوپر گھنی جھاڑیوں میں وہ بجلی گھر موجود تھا۔ اُنھوں نے اپنی وین ایک جگہ چھُپا دی اور خود پیدل ہی جھاڑیوں میں سے راستہ بناتے ہُوئے بجلی گھر کی پُشت کی طرف سے اُوپر چڑھنے لگے۔ اُنھوں نے جان بُوجھ کر سیدھے راستے کو چھوڑ دیا تھا تاکہ کسی آنے جانے والے کی نظر میں نہ آ سکیں۔ یہ راستہ دُشوار گُزار تھا اور خار دار جھاڑیوں سے پُر۔ لیکن وہ کانٹوں کی پروا نہ کرتے ہُوئے پھسلتے، گرتے اور کانٹوں سے اُلجھتے ہُوئے اُوپر چڑھتے چلے گئے۔ ایک جگہ اُنھوں نے چند موٹر سائیکلیں جھاڑیوں میں کھڑی دیکھیں۔ عامر نے عمّار سے کہا:

"تو یہ ہے اُن موٹر سائیکل سوار باغیوں کا

ہیڈ کوارٹر"۔

وہ جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے عمارت کی پشت پر ایک کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ عامر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں پانچ نوجوان بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نوجوان کہہ رہا تھا "دلاور، اب وہ دن دور نہیں جب تم اِس مُلک کے ڈکٹیٹر ہو گے۔ موت کے ہرکاروں کا خواب پورا ہو جائے گا"۔

دوسرے نے کہا "زیادہ خدمات دلاور نے ہی انجام دی ہیں۔ کئی دفعہ موت کے منہ سے واپس آیا ہے۔ اِس عہدے کا یہی سب سے زیادہ حق دار ہے"۔

اُن کی باتوں سے عامر اور عمّار نے اندازہ لگایا کہ یہی لوگ باغیوں کے لیڈر ہیں۔ اچانک پیچھے سے کسی موٹر سائیکل کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے جھاڑیوں میں چھپ گئے اور جھاڑیوں کی آڑ سے موٹر سائیکل سوار کو دیکھا۔ اُس نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔ وہ موٹر سائیکل بند کر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ عامر اور عمّار بھی جھاڑیوں سے نکل کر دوبارہ کھڑکی کے

پاس آگئے ۔ آنے والے نے جوں ہی اپنا ہیلمٹ اُتار کر میز پر رکھا، دونوں بھائیوں پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ۔ یہ سری لنکا کے عجائب گھر کی باورچن ایلس تھی۔

ایلس نے آتے ہی کہا "دوستو، اب اِنقلاب کے لیے تیّار ہو جاؤ۔ اسلحہ کی کھیپ پہنچ گئی ہے اور اُسے نیوٹن کے گھر تہ خانے میں پہنچا دیا گیا ہے۔"

عامر نے عمّار سے سرگوشی میں کہا "تو وہ پیغام ایلس نے ہی نیوٹن کو دیا تھا جو اُس کے بیڈ رُوم میں پڑا تھا۔"

دلاور نے خوش ہو کر ایلس کو مُبارک باد دیتے ہُوئے کہا "بہُت خوُب! ایلس، تم نے ہمیں رُوپے فراہم کرکے اور ہتھیار دے کر بڑی شان دار خدمت انجام دی ہے ۔ تمھیں اِس خدمت کا صِلہ بھی شان دار ہی دیا جائے گا۔"

اُس کے ایک ساتھی اِبراہیم نے ایلس سے سوال کیا "مِس ایلس، آخر اتنے سارے رُوپے تم نے کہاں سے حاصل کیے؟"

ایلس نے مُسکرا کر جواب دیا "روپے کے لیے

مجھے سری لنکا کے عجائب گھر میں بادرچن کی حیثیت سے کام کرنا پڑا۔ میں نے وہاں سے چند قیمتی مورتیاں اور دیگر اشیا چوری کر کے مصر کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کیں اور اُس روپے سے ہتھیار خریدے۔ یہ ہتھیار اِس جزیرے کے شمال میں واقع ایک جزیرے بل بن کی حکومت کے تعاون سے راتوں رات روباسہ پہنچا کر نیوٹن کے مکان میں اِسٹور کر دیے گئے ہیں۔ اب مجھے واپس جانا ہے۔ زیادہ دیر یہاں نہیں رُک سکتی۔"

عامر اور عمّار پہاڑی سے اُتر کر اپنی وین کے پاس آئے اور پھر آندھی طوفان کی طرح ایک پبلک ٹیلے فون بُوتھ میں جا کر پاکستان کے سفیر صفدر جاودانی کو ساری رپورٹ دیتے ہُوئے کہا:

"سر، یہ ایکشن جلدی ہی ہونا چاہیئے۔ اِسی صُورت میں موت کے ہرکاروں والا باغی گروہ گرفتار کیا جا سکتا ہے۔"

اِس کے بعد اُس نے اُس جگہ کے مُتعلّق بتایا جہاں سے اُس نے فون کیا تھا۔ سفیر نے کہا "میں کرنل نجیب کو اِطّلاع دے رہا ہوں۔ وُہ

جلد ہی تم سے آ ملیں گے ۔"

عامر فون بند کر کے باہر آگیا اور کرنل نجیب اور اُس کے سپاہیوں کا اِنتظار کرنے لگا ۔ اُسے ایک ایک مِنٹ ایک ایک سال کے برابر لگ رہا تھا ۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس نے ایک پولیس جیپ اور سپاہیوں سے بھرا ہوا ٹرک دیکھا جو اُن کے قریب آکر رُک گیا ۔ دونوں بھائی اُس میں بیٹھ گئے ۔ اُنھوں نے سب سے پہلے نیوٹن کے مکان پر چھاپا مارا ۔ لیکن اُسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ صدر دروازہ کھُلا پڑا تھا اور نیوٹن غائب تھا ۔ تہ خانے والا کمرا بھی کھُلا پڑا تھا اور بالکل خالی تھا ۔ کرنل نجیب نے حیرت سے عامر اور عمّار کی طرف دیکھا تو عامر نے کہا:

"اُنھوں نے اسلحہ یہاں سے نکال لیا ہے ۔ لیکن وہ ابھی ہماری گرِفت سے باہر نہیں ہیں ۔ آپ کو بیکن پہاڑی والے بجلی گھر پر چھاپا مارنا چاہیئے ۔ میرا خیال ہے ، اُنھوں نے اسلحہ وہیں چھپایا ہے ۔"

کرنل نجیب اور اُس کے ساتھیوں نے بیکن پہاڑی کو گھیرے میں لے لیا ۔ سپاہی پہاڑی پر چڑھ رہے تھے کہ اُن پر بجلی گھر کی عمارت سے فائرنگ شروع ہو

گئی ۔ کرنل نجیب نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جوابی فائرنگ کرتے ہُوئے گھیرا تنگ کرتے جاؤ۔ خبردار ! ایک بھی باغی فرار نہ ہونے پائے۔

دونوں طرف سے گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں ۔ اِس آپریشن میں پولیس کا زیادہ نُقصان ہو رہا تھا، اِس لیے کہ وہ کھُلے میدان میں تھی، جب کہ باغی عمارت کے اندر سے اِن پر فائرنگ کر رہے تھے۔ آخر پولیس نے اِس عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ کرنل نجیب نے چیخ کر باغیوں سے کہا :

"تم سب ہماری حراست میں ہو ۔ فائرنگ بند کر کے باہر نکل آؤ ورنہ میں عمارت کو بموں سے تباہ کر دوں گا "

دوسری طرف سے اچانک فائرنگ رُک گئی ۔ کرنل نجیب نے حکم دیا " اب ایک ایک کر کے باہر آجاؤ "

سب سے پہلے ہاتھ اُٹھا کر جو شخص باہر نکلا وہ دلاور تھا ، اور سب سے آخر میں آنے والا نیوٹن۔

عامر نے نیوٹن سے پُوچھا " تم نے اتنی جلدی اسلحہ اپنے گھر سے یہاں کیسے مُنتقل کیا ، اور تمھیں خطرے کا

کیسے اِحساس ہوا ؟"

نیوٹن نے جواب دیا "تمھاری ایک چھوٹی سی غلطی سے۔ تُم نے پائپ کے بولٹ کو کھول تو لیا تھا لیکن تم سے وہ فِٹ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اُسی وقت سمجھ لیا کہ تُم پلمبر نہیں ہو۔ پھر میں تمھارا تعاقب کرتا ہوا بیکن پہنچا تو پتا چل گیا کہ تم پولیس کے جاسُوس ہو۔ تمھارے جاتے ہی ہم نے اسلحہ یہاں مُنتقل کر دیا۔ اگر تم تھوڑا سا وقت اور دے دیتے تو ہم اسلحہ سمیت کشتیوں سے مل بن فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے۔

عمّار نے پُوچھا "مِس ایلس کہاں ہے ؟"

اس بار دلاور نے جواب دیا "وہ اب اتنی دُور جا چکی ہے کہ تُم اُس تک نہیں پہنچ سکتے۔ وقتی طور پر یہ اِنقلاب رُک ضرور گیا ہے لیکن تم اِس سیلاب کے سامنے بند نہیں باندھ سکو گے۔ اب کوئی دوسری ٹیم، دُوسرا گروہ، اِس کام کو انجام دے گا۔"

رات کے ڈِنر پر پاکستانی سفیر، شہاب زیدی اور کرنل نجیب کے عِلاوہ عامِر اور عمّار بھی موجُود تھے۔ کرنل نجیب نے دونوں لڑکوں کی خدمات کو سراہا اور

پاکستانی سفیر کا شکریہ ادا کیا۔ شہاب صاحب نے کہا:
"لڑکو، اب روباسہ میں تمھاری ضرورت نہیں۔ تمھیں اپنے اصلی مشن پر روانہ ہو جانا چاہیئے۔ تمھارا جہاز اِسکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے والا ہے، اور تمھیں اِسکندریہ پہنچانے والی فلائٹ بھی تیّار ہے۔"

قاہِرہ کا عجائب گھر

اِسکندریہ کے ہوائی اڈّے پر اُترتے ہی دونوں بھائی ٹیکسی کے ذریعے بندرگاہ پہنچے اور پھر جہاز پر جا کر کپتان، نصیر اور عِرفان سے ملے۔ کرین کے ذریعے جہاز پر سے سامان اُتارا جا رہا تھا۔ کپتان نے اُن کی مُورتی کا بکس اُن کے حوالے کیا، جس پر دونوں بھائیوں نے اُس کا شُکریہ ادا کیا۔ پھر وہ دونوں دوستوں کو الوداع کہہ کر اُس ٹرک میں سوار ہو گئے جس پر مُورتی کا بکس رکھ دیا گیا تھا۔ یہ ٹرک اُن کے لیے قاہِرہ کے عجائب گھر والوں نے

بھیجا تھا۔ جب وہ قاہرہ پہنچے تو عجائب گھر کی عمارت کے باہر ایک آدمی اُن کا مُنتظِر تھا۔ اُس نے اپنا تعارُف کرواتے ہُوئے کہا:

"میرا نام کمال انور ہے۔ میں جمال انور کا چھوٹا بھائی اور یہاں کے مُنتظِم پروفیسر جلال امین کا نائب ہوں۔"

چند آدمیوں نے ٹرک سے بکس کو اُتارا اور اُسے اندر لے گئے۔ کمال انور نے دونوں بھائیوں کو اندر لے جا کر کہا "ہمارے اِنچارج پروفیسر جلال امین اِس وقت موجود نہیں۔ لیکن انہیں اِطلاع دے دی گئی ہے۔ اب اُن کی اور آپ دونوں کی موجودگی میں یہ صندوق کھولا جائے گا۔ پھر آپ کی ذمّے داری ختم ہو جائے گی۔ اُس وقت تک آپ لوگ عجائب گھر کی سیر کریں۔"

عامر اور عمّار دنیا کے حیرت انگیز عجائب گھر کی سیر میں مصروف ہو گئے۔ اُنھوں نے عجیب و غریب فرعونوں کی ممیاں بھی دیکھیں اور اُن کے سونے کے برتن، اعلیٰ لباس اور تاج وغیرہ بھی۔ وہ ہر چیز کو حیرت سے دیکھتے اور تعریف کرتے ہوئے آخر فرعونِ مصر طوطاخامن کی ممی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اُس کے تاج پر

مصر میں پایا جانے والا خاص قسم کا سیاہ ناگ بنا ہُوا تھا۔ عمّار نے کہا :

"بالکل ایسا ہی ربڑ کا سانپ ہم نے اپنے بستر پر سری لنکا کے عجائب گھر میں بھی دیکھا تھا۔"

عامر نے جواب دیا " یہ سانپ فرعونوں کا ٹریڈ مارک ہے۔ دیکھو، ایسا لگتا ہے کہ فرعون مرا ہُوا نہیں بلکہ پُر سکون نیند سو رہا ہے۔ ذرا اس کے جاہ وجلال پر بھی نظر ڈالو۔ سونے کے برتن، قیمتی فرنیچر اور ہیرے جواہرات جڑا ہوا تاج۔ کیا یہ سب شان و شوکت انسانوں کے لیے ایک سبق نہیں کہ دُنیاوی عیش وعشرت فانی چیزیں ہیں جن کی کوئی اہمیّت نہیں۔ اصل چیز انسان کے اعمال اور اخلاق ہیں جو مرنے کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔ باقی ہر شے فنا ہو جاتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد کمال انور نے اُنھیں آکر اِطّلاع دی کہ پروفیسر جلال امین آچکے ہیں۔ جب وُہ ہال میں پہنچے تو پروفیسر وہاں موجود تھے۔ پروفیسر نے پُرمسرّت جذبات کے ساتھ اُن کا خیر مَقدم کرتے ہوئے کہا، "مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اِس مُورتی کو ہم تک پہنچا دیا ہے۔"

اِس کے بعد اُس نے اپنے آدمیوں کو حُکم دیا کہ صندوق سے مُورتی نکالی جائے۔ عجائب گھر کے آدمی اوزار لے کر صندوق کے پترے وغیرہ اُکھاڑنے لگے۔ اِس دوران میں عمّار اور عامر پروفیسر سے خوش گپیوں میں مصرُوف رہے، یہاں تک کہ صندوق کو کھول دیا گیا۔ اور پھر دونوں بھائیوں نے دیکھا کہ عجائب گھر کے آدمیوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ صندوق اندر سے خالی تھا اور مُورتی غائب تھی!

ایک مِنٹ تک ہال میں خاموشی طاری رہی۔ پھر پروفیسر نے عامر سے پُوچھا "سونے کی مُورتی کہاں ہے؟"

عامر نے جواب دیا "ہم نے پُوری طرح اُس کی جہاز پر حفاظت کی ہے۔ صندُوق اتنی مضبُوطی سے بند تھا کہ اُس میں سے مُورتی نکالنا ناممکن تھا۔ ہاں، ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔"

پروفیسر نے کہا "بتا دو۔ وُہ کون سا خیال ہے؟"

عامر نے جواب دیا "یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اِسکندریہ کی بندرگاہ پر کسی نے بالکل ایسا ہی بکس پہلے سے تیار رکھا ہو اور اُسے اِس صندوق کے ساتھ بدل لیا ہو۔"

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ بچگانہ خیال ہے۔"

عمار نے عامر سے کہا "میرا خیال ہے ہمیں لکسر چلنا چاہیئے۔ کیوں کہ عجائب گھر والی مورتی کے بھنوری لباس پر اسی شہر کی چٹ لگی تھی۔ تم نے نیوٹن کے گھر جو پیغام پڑھا تھا اس میں بھی لکسر کا ذکر تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے، سری لنکا کے عجائب گھر کی چوری کا تعلق لکسر سے ضرور ہے۔ تم مس ایلس کو بھی روباسہ میں دیکھ چکے ہو۔"

عامر نے پروفیسر سے کہا "آپ فکر نہ کریں۔ ہم اس امانت کو آپ کے حوالے کر کے جائیں گے۔"

یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے عامر اور عمار نے جہاز کے کپتان، نصیر اور عرفان کو یہ خبر سنائی تو کپتان نے کہا "تمھارا مورتی کا بکس نہ تو جہاز پر تبدیل ہوا ہے اور نہ بندرگاہ پر۔ اس لیے کہ سب کی نظروں کے سامنے ہم نے اسے اتار کر ٹرک میں رکھا تھا۔"

نصیر نے عمار کو بتایا کہ جہاز کے اسٹاف کا ایک آدمی غائب ہے اور وہ ہے بڑھئی ہشام۔

عامر نے کچھ سوچ کر کہا "اب ہمیں وقت ضائع

کرنے کی بجائے لکسر چلنا چاہیئے۔"

دونوں بھائی قاہرہ کے پُر رونق بازار سے گزر رہے تھے اور دل چسپی سے دُکانوں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک اُن کے قدم ایک دکان کے سامنے آکر رُک گئے۔ یہاں ربڑ کے مُختلِف ماسک لٹک رہے تھے۔ وہ آگے بڑھنے لگے تو دُکان دار نے روکتے ہُوئے کہا:

"آپ لوگوں کو شاید مُختلِف قِسم کے ماسک چاہئیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو اندر تشریف لائیں۔ اِن سے بھی زیادہ عجیب وغریب ربڑ کے ماسک ہمارے پاس موجُود ہیں۔"

دونوں بھائی اُس کے ساتھ دُکان کے پچھلے حِصّے میں جا کر ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں روشنی قدرے کم تھی۔ ایک لمحے کے لیے اُن کے قدم رُک گئے۔ کمرے کے درمیان بُدھ کی مُورتی کا سُنہری پلاسٹک کا وُہی لباس لٹک رہا تھا جو اُنھوں نے جہاز پر کشتی میں دیکھا تھا۔

عمّار نے کہا "یہ تو وُہی لباس ہے۔ تعجّب ہے کہ یہاں کیسے آگیا۔"

دُکان دار نے نرمی سے کہا "آپ اُسے قریب جا کر غور سے دیکھیں۔"

دونوں بھائی لباس کی طرف بڑھے اور پھر اچانک اُنھوں نے اپنے قدموں تلے زمین کو حرکت کرتے محسوس کیا۔ اِس سے پیشتر کہ وہ بچاؤ کی کوئی تدبیر کریں، دونوں نیچے تہ خانے میں جا گرے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس کے ایک طرف لوہے کا ایک دروازہ لگا ہُوا تھا، وہ باہر سے بند تھا۔

عامِر نے کہا "اس دُکان دار نے ایسا کیوں کیا؟ اِسے ہم سے کیا عداوت ہو سکتی ہے؟ ہم پہلی مرتبہ یہاں آئے ہیں۔"

اُنھوں نے بند دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھُلا اور چار آدمی اندر داخل ہُوئے۔ اِن میں ایک ہِشام اور دُوسرا دُکان دار تھا۔ باقی دو نئے تھے۔

عامِر نے ہِشام سے کہا "تو یہ تمھاری مہربانی ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

ہشام نے کھا جانے والی نِگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر کہا "کبھی چکّی میں پِستے ہُوئے گیہوں کو

دیکھا ہے تُم نے ؟ تُم دونوں نے جو زخم ہمیں لگایا ہے ، اُس کا اِنتقام لینے کا وقت آگیا ہے ۔"

عمّار نے آنکھ سے عامِر کو مخصُوص اِشارہ کیا۔ اُس کا مقصد تھا کہ اِن سے بھڑ جاؤ ۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بھائیوں نے اِس چھوٹے سے کمرے کو میدانِ جنگ بنا دیا ۔ اُنھوں نے چاروں کو اپنی فلائنگ کِک اور پنچوں سے پیٹنا شروع کر دیا ۔ لیکن دو کے مُقابلے میں چار تھے اور وہ بھی ہٹّے کٹّے ۔ آخر دونوں بھائی لڑتے لڑتے تھک گئے اور اُن چاروں نے اُن کو قابُو میں کر لیا ۔ اُسی وقت دروازہ کُھلا اور اُنھوں نے مُورتی والے سُنہری پلاسٹک کے لباس میں کسی کو اندر آتے دیکھا ۔ اُس شخص نے آتے ہی زوردار قہقہہ لگایا ۔ عامِر کو فوراً یاد آگیا کہ سری لنکا کے عجائب گھر میں رات کو اُس نے جو مُورتی دیکھی تھی اور جس کے ہاتھ میں سانپ تھا ، اُس نے بھی ایسا ہی بھیانک قہقہہ لگایا تھا۔

عامِر نے کہا " شاید یہ ہماری دُوسری مُلاقات ہے ۔ پہلی سری لنکا کے میوزیم میں ہو چُکی ہے ۔"

اُس آدمی نے جواب دیا " دوسری نہیں ، میرا خیال

ہے، یہ ہماری تیسری مُلاقات ہے" اور اِس کے ساتھ ہی اُس نے پلاسٹک کا ماسک اپنے چہرے سے اُتار دیا۔ عامر اور عمّار نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ یہ خفّاش تھا، سری لنکا کے عجائب گھر کا چوکیدار!

عامر نے ناگواری سے کہا "اوہ! تو یہ تم تھے جو جہاز پر بھی ہم سے آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ مُورتی کہاں ہے؟"

"جہاں اُسے ہونا چاہیئے۔ سُنو! ہمارا تعلّق اُسی اِنقلابی جماعت سے ہے جسے تم گرفتار کرا چکے ہو۔ اب تم ہمارے پاس اُس وقت تک قیدی بن کر رہو گے جب تک تمھارا باپ روباسہ کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے نہیں چلا جاتا۔ وہ اِنقلاب کی راہ میں بھاری پتّھر بنا ہُوا ہے"۔

اُن آدمیوں نے اُنھیں گھیرے میں لے کر باہر نکالا، جہاں دو کاریں موجُود تھیں۔ ایک کار میں دو حبشی جلّاد بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں بھائیوں کو اُسی کار کے اندر دھکیل دیا گیا اور پھر خفّاش نے ڈرائیور کو حُکم دیا:

"لکسر چلو!"

بکسر میں

دونوں کاریں ایک ایئرپورٹ پر آکر رُک گئیں۔ یہ ہوائی اڈّا ویران پڑا تھا یا پھر مرمّت کے لیے بند تھا۔ چوروں کا گروہ اُنھیں لے کر ایک چھوٹے جہاز میں سوار ہوا اور جہاز دریائے نیل کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔

عمّار نے عامر کے کان میں کہا ہے کہ اُس روز خفّاش خنجر چُرانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اُس نے جہاز میں بکس میں سے مُورتی کیسے غائب کی! میرا خیال ہے یہ ناممکن بات ہے۔"

جہاز ایک ریگستان میں آکر اُتر گیا۔ پھر اُس میں سے سارے آدمی، پائلٹ کے سوا، اُتر آئے کیوں کہ پائلٹ نے اُن سے کہا تھا کہ اب اُسے واپس قاہرہ جانا ہے۔ یہ کوئی کرائے پر چلنے والا جہاز تھا۔

اُسی وقت ایک بس چند آدمیوں کو لے کر آئی اور اُن کے پاس آ کر رُک گئی۔ خفاش نے اُن دونوں سے کہا:

"اِس بس میں بیٹھ جاؤ۔ بھاگنے کی یا کسی قسم کی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو تمھاری ہڈّیوں کا سُرمہ بنا دیا جائے گا۔"

چوروں کا یہ گروہ دونوں بھائیوں کو بس میں لے کر بیٹھ گیا تو بس روانہ ہو گئی۔ وہ ایک ایسے صحرا میں سے گزر رہے تھے جہاں ریت کے ساتھ ساتھ چٹانیں، ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی تھیں۔ اب سُورج ڈُوب رہا تھا، اور آہستہ آہستہ تاریکی پھیل رہی تھی۔

عمّار ایمرجنسی گیٹ کے پاس بیٹھا تھا۔ اُس کے بائیں طرف ایک مُحافِظ تھا۔ عامِر کے دائیں اور بائیں دونوں طرف مُحافِظ تھے۔ عمّار نے ایمرجنسی گیٹ کو دیکھتے ہی ایک فیصلہ کر لیا تھا اور وہ رات کا اندھیرا پھیلنے کا مُنتظِر تھا۔ اِس لیے کہ اِس صحرا میں دن کے اُجالے میں فرار ممکن نہ تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی عامِر نے آنکھوں کے اِشارے سے عمّار کو ایمرجنسی گیٹ کی طرف توجّہ دِلائی۔ اُسے کیا خبر تھی کہ عمّار اِس حربے

کو آزمانے کا پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا۔

جب ایک ٹیلے پر سے گزرتے ہوئے بس میں بیٹھے مسافروں کو دھچکا لگا تو عمار نے جلدی سے ایمرجنسی گیٹ کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر اندھیرے میں چھلانگ لگا دی۔ اُسی وقت عامر بھی اپنے مخالفوں کو دھکا دے کر باہر کود گیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ بس میں موجود چوروں کا گروہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر اُن کو ہشام اور خفاش کی دھاڑیں سنائی دیں جو بس روکنے کو کہہ رہے تھے۔

بس رُکی تو چوروں کا گروہ بس سے کود کر عامر اور عمار کی تلاش میں چاروں طرف پھیل گیا۔ لیکن اندھیرا ہونے کے سبب اُن کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اور وہ اندھیرے میں اپنے ہی ساتھیوں کی پکڑ دھکڑ کر رہے تھے۔ عامر اور عمار ایک گڑھے میں اُتر کر آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن اُن کا سکون زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ اُن کے سامنے ایک سیاہ ناگ پھن اُٹھائے پھنکار رہا تھا۔ نیچے سانپ کی شکل میں موت موجود تھی اور اُوپر چوروں کی صورت میں۔ نہ تو وہ باہر جا سکتے تھے اور نہ ہی گڑھے میں رہ سکتے تھے۔ وہ اِسی پریشانی

میں مُبتلا تھے کہ باہر سے خفّاش کی آواز آئی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا:

"اندھی بھیڑوں کی طرح بھاگتے پھر رہے ہو۔ اِس گڑھے میں بھی اُتر کر دیکھو!"

دونوں بھائیوں کی جان پہ بن گئی۔ یہ شاید قُدرت کو کچھ اور ہی منظُور تھا۔ اُسی وقت ایک سُوراخ سے ایک نیولا نکلا اور اُس نے سانپ پر حملہ کر دیا۔ جب چور گڑھے کی طرف آئے تو اُنھوں نے سانپ کی خوف ناک پُھنکار سُنی۔ وہ باہر ہی رُک گئے اور ہِشام نے کہا:

"یہاں تو سانپوں کا بسیرا معلوم ہوتا ہے۔ دریائے نیل کے کنارے پائے جانے والے یہ سانپ انسان کو اپنے قریب برداشت نہیں کرتے۔ لڑکے یہاں نہیں ہو سکتے۔ کہیں اور تلاش کرو۔"

یہ سُن کر دونوں بھائیوں کی جان میں جان آئی۔ اندر نیولے نے سانپ کا حشر کر رکھا تھا اور باہر ہشام خفّاش سے کہہ رہا تھا "رات کے اندھیرے میں اُن کی تلاش مُشکل ہے۔ کیوں نہ دن کے اُجالے کا اِنتظار کریں؟"

خفّاش نے ناگواری سے جواب دیا "میں خریدار کو

وقت دے چکا ہوں۔ تم جانتے ہو ہمیں رُوپے کی کس قدر ضرورت ہے۔ ایک آخری کوشش اور کرلو۔"

ایک دفعہ پھر وہ لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ جُوں ہی وہ گڑھے سے ہٹے، عامر نے عمّار سے کہا "ایک آخری کوشش ہمیں بھی کر لینی چاہیئے۔"

عمّار نے کہا "وہ کیا؟"

"ہمیں فوراً بس تک پہنچنا چاہیئے۔ اگر بس کا ڈرائیور چابی اِگنشن میں لگی چھوڑ گیا ہے تو ہم آسانی سے بھاگ سکتے ہیں۔ جب تک یہ لوگ اِنجن اِسٹارٹ ہونے کی آواز سُنیں گے، ہم بس لے کر فرار ہو چُکے ہوں گے۔"

اُنھوں نے ایک نظر مُردہ سانپ کی طرف دیکھا۔ نیولا اُسے ختم کرنے کے بعد اپنے بِل میں جا گھُسا تھا۔ دونوں بھائی رِینگتے ہوئے گڑھے سے نکلے اور فوجیوں کے انداز میں پیٹ کے بل رِینگتے ہُوئے بس کی طرف بڑھے۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ دونوں اُچک کر بس کے اندر داخل ہو گئے۔ لیکن اُن کی بدقسمتی کہ چابی اِگنشن میں موجُود نہ تھی۔ عامر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہُوئے کہا "نصیب ہر وقت ساتھ نہیں دیتا۔"

"کیوں نہیں دیتا۔ حواس درست ہوں تو راستہ مل ہی جاتا ہے۔"

عامر نے سوال کیا "تم نے کچھ سوچ لیا ہے؟"

عمار نے جواب دیا "ہمیں بس کی چھت پر لیٹ جانا چاہیئے۔ یہی ایک صورت اِس موت کے صحرا سے بچ کر نکلنے کی ہے۔"

اِس سے پہلے کہ عامر کوئی جواب دیتا، اُنھوں نے خفاش کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا "اُن کو موت کے اِس صحرا کے حوالے کر دو۔ دن میں سورج کی تپش اور بھوک پیاس اُنھیں اگلے جہان میں پہنچا دے گی۔"

دونوں بھائی بس کی چھت پر آرام سے لیٹے ہوئے تھے۔ جب چور بس میں سوار ہو گئے تو سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔

عامر نے سرگوشی میں عمار سے پوچھا "رات کے اندھیرے نے تو ہمیں چھپا لیا، اُجالا ہونے کے بعد کیا ہوگا؟"

عمار نے جواب دیا "اُجالا ہونے سے پہلے ہی ہم نیچے کود جائیں گے۔"

اچانک اُن کے پاؤں لکڑی کے کسی صندوق سے

ٹکرا گئے ۔ اُنھوں نے ٹٹول کر دیکھا تو اُن کے مُنھ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ۔ یہ ویسا ہی صندوق تھا جس کے اندر وہ مُورتی بند کر کے سری لنکا سے روانہ ہُوئے تھے ۔ عامر نے کہا "اِس کا مطلب یہ ہے کہ بکس اِسکندریہ کی بندرگاہ پر تبدیل کیا گیا ہے ۔"

عمّار نے جواب دیا "میرا تو خیال ہے کہ جس صندُوق کو لے کر ہم سری لنکا سے روانہ ہُوئے، وہ شروع میں ہی تبدیل ہو چکا تھا ۔ اسی لیے اُس پر پتّے چڑھائے گئے تھے تاکہ ہم راستے میں اُسے کھول کر چیک نہ کر سکیں اور ۔ ۔ ۔ ۔"

عامر نے جلدی سے عمّار کی بات کاٹتے ہوئے سرگوشی کی "ہم دونوں ہی احمق ہیں ۔ شاید تمھیں اِس بس کا نمبر یاد نہ ہو ۔ لیکن میرے ذہن میں محفُوظ ہے ۔ یہ بس بھی اُسی جہاز میں سری لنکا سے آئی ہے، اور اِسی بس کے کسی خُفیہ حِصّے میں یہ بکس ہمارے ساتھ سفر کرتا ہُوا مِصر آیا ہے ۔"

بس تاریکی میں ایک ہرم کی شکستہ عمارت کے قریب رُک گئی ۔ خفّاش، ہشام اور قاہرہ والا دُکان دار بس سے اُتر کر باہر آئے ۔ خفّاش نے کہا "میرا ایک ساتھی

یہاں موجود ہے۔ اُس نے اِس مُورتی کا سودا کر رکھا ہے۔ ہمیں اُس سے رقم کے مُتعلق معلوم کرنا ہوگا کہ اُس نے وصول کر لی ہے یا نہیں۔ خریدار نے یہ رقم لکسر میں ادا کرنے کے لیے کہا تھا۔"

اُس نے اپنا سگرٹ لائیٹر نکال کر تین مرتبہ جلایا اور بجھایا۔ دوسری طرف سے بھی ایک چنگاری تین بار جلتی بجھتی نظر آئی اور پھر فرعونوں کے اُس شکستہ مقبرے یعنی ہرم کے پیچھے سے ایک سایہ نکل کر بس کی طرف آیا۔ عامر اور عمار اُس کی طرف مُتوجّہ ہو گئے۔ جُوں ہی وہ سایہ اِن لوگوں کے قریب آیا، وہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ ایلس تھی۔

عمار نے دانت پیس کر کہا "یہ کم بخت روباسہ سے آکر یہاں چھُپ گئی تھی۔"

ایلس کے آتے ہی خفّاش نے بے صبری سے سوال کیا "رقم کا کیا ہوا؟"

"خریدار چاہتا ہے کہ ہم اِس مُورتی کو حفاظت سے اُس کے گھر تک پہنچا دیں۔ وہ لکسر کی بجائے قاہرہ میں ہی رقم ادا کرنا چاہتا ہے۔ ویسے وہ یہاں آنے والا ہے۔ اور ہاں، وہ دونوں جاسُوس کہاں ہیں؟

خفّاش نے جل کر جواب دیا "اُن کی قبر تو صحرا میں بن چکی ہو گی"۔

ایلس نے دانت پیس کر کہا "تم نے اُن سپولیوں کو چھوڑ کر بڑی بھاری غلطی کی ہے۔ خیر، اب جتنی جلدی ہو سکے مُورتی کے صندوق کو اُوپر سے اُتار کر دوبارہ اُسی خُفیہ حصّے میں رکھ دو"۔

اِس سے پہلے کہ یہ لوگ بس کی چھت پر چڑھیں، دونوں بھائی جلدی سے دُوسری طرف اُتر گئے۔ خفّاش، ہشام اور اُن کے ساتھیوں نے مُورتی کا بکس اُوپر سے اُتارا اور اُسے بس کے فرش کے نیچے بنے ہُوئے خُفیہ تہ خانے میں داخل کر دیا۔

عمّار نے کہا "اب معلوم ہوا کہ جہاز میں خفّاش مُورتی کے بھیس میں کہاں غائب ہو جاتا تھا۔ وہ یقیناً یہی خُفیہ جگہ تھی"۔

عمّار نے جواب دیا "تمھارا خیال دُرست ہے۔ میں نے خود اُس کا تعاقُب کرتے ہُوئے اُسے اِسی بس میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن بعد میں وہ غائب ہو گیا تھا۔ شاید اِسی خُفیہ ٹھکانے میں جا چھُپا ہو گا۔

گروہ کے لوگ مُورتی کے صندوق کو بس کے خُفیہ خانے میں رکھنے میں مصروف تھے کہ دُور سے کسی کار کی ہیڈ لائیٹس چمکتی دکھائی دیں۔ ایلس نے آگے بڑھ کر اپنا لائیٹر تین بار جلایا بجھایا۔ کار اِن لوگوں سے تھوڑے فاصلے پر آکر رُک گئی۔ اِس بار کار میں سے جو آدمی برآمد ہوا اُسے دیکھ کر عامر اور عمّار کے دماغوں میں بم کا دھماکا ہوا۔ یہ آدمی قاہرہ کے عجائب گھر کا اِنچارج پروفیسر جلال امین تھا!

وہ قریب آکر خفّاش اور گروہ کے دوسرے آدمیوں سے چُپکے چُپکے باتیں کرنے لگا۔ موقع غنیمت جان کر دونوں بھائی پروفیسر کی کار کی ڈِکّی میں چھُپ گئے۔

کھیل ختم

پروفیسر کی کار رات کی تاریکی میں تیزی سے قاہرہ کی طرف چلی جا رہی تھی۔ وقفے وقفے سے عامر ڈِکّی کا ڈھکنا

اُٹھا کر باہر جھانک لیتا تھا۔ سفر کافی دیر جاری رہا اور آخر کار ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ عامر نے ڈِکّی کھول کر باہر جھانکا۔ اُسے تاریکی میں جگمگاتی ہوئی قاہرہ کی بلند و بالا عمارتیں نظر آئیں۔ کار چوراہے پر ٹریفک کی سُرخ بتّی کی وجہ سے رُکی تھی۔ موقع کو غنیمت جان کر دونوں بھائی ڈِکّی سے نیچے کُود گئے۔ سبز روشنی ہوتے ہی پروفیسر کی کار فراٹے بھرتی گزر گئی۔ عامر نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور پھر ڈرائیور سے پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کو کہا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کیا اور دو تین سڑکوں سے گزرنے کے بعد ایک سیاہ پتّھر کی عمارت کے باہر ٹیکسی کو روک دیا۔ عمارت کے گیٹ پر موٹا موٹا لکھا ہوا تھا:

پولیس ہیڈ کوارٹر۔ قاہرہ۔

ڈیوٹی آفیسر نے جلد ہی دونوں کو اندر بُلا لیا۔ عامر اور عمّار نے اپنا تعارُف کرایا اور پھر پولیس چیف سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ڈیوٹی آفیسر نے فون پر رابطہ قائم کر کے ریسیور عامر کے ہاتھ میں دے دیا۔ عامر نے تمام واقعات پولیس چیف کو بتائے اور کہا کہ اگر وُہ چاہیں تو اُن کے مُتعلّق قاہرہ میں پاکستان کے سفیر سے تصدیق کر سکتا ہے۔

پولیس چیف نے جواب دیا "اپنی تسلّی کرنے کے بعد میں

پولیس فورس کے ساتھ تمھیں اِسی دفتر میں ملوں گا۔ مُعاملہ سنگین ہے۔ پروفیسر جلال امین اِس شہر کی نامور شخصیتوں میں سے ہیں۔ اِس لیے اُن کے مکان پر چھاپا مارنے سے پہلے مجھے حُکّام سے اِجازت طلب کرنی پڑے گی۔ مجھے حیرت ہے کہ خود پروفیسر اِس سے قبل مُورتی کی چوری کی رپورٹ درج کروا چکے ہیں۔ تم دونوں کے مُتعلّق روباسر کے پولیس چیف کا فون بھی مجھے مِل چُکا ہے۔"

ڈیوٹی آفیسر نے دونوں کے لیے گرم گرم کافی منگوائی۔ دونوں سردی سے کانپ رہے تھے۔ لیکن اُس وقت اُن کے سر پر ایک ہی دُھن سوار تھی، اور وُہ تھی پروفیسر جلال امین کی کوٹھی پر پولیس کا چھاپا۔

آدھ گھنٹے بعد اُنھوں نے عمارت کے کمپاؤنڈ میں ہارن کی آواز سُنی۔ اُنھیں ایک کانسٹبل نے آکر مُطلع کیا کہ اُنھیں نیچے پولیس چیف بُلا رہے ہیں۔ وُہ نیچے آئے تو اُنھوں نے اسلحہ سے لیس پولیس کا دستہ دیکھا جو ایک ٹرک میں سوار تھا۔

چیف نے دونوں بھائیوں کو اپنی جیپ میں بٹھا لیا، اور پھر یہ پولیس پارٹی تیزی سے روانہ ہو گئی۔ راستے میں پولیس چیف نے اُنھیں بتایا کہ قاہرہ میں پاکستان کے سفیر نے

مجھ سے تمھاری مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔

پروفیسر جلال امین اپنی شان دار کوٹھی کے کشادہ لان میں ٹہل رہا تھا۔ اُسے اُس بس کا انتظار تھا جو خفاش، ابلیس، ہشام کے علاوہ مُورتی کا بکس لے کر آنے والی تھی۔

دُوسری طرف پولیس نے کوٹھی سے کچھ فاصلے پر اپنا ٹرک اور جیپ چھوڑ دی اور چیف کے حکم پر کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حویلی کے پھاٹک کے باہر بیٹھا چوکیدار اُونگھ رہا تھا اور آسمان پر بکھری ہوئی رات کی سیاہی اب آہستہ آہستہ اُجالے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ پولیس والے بس کے منتظر تھے کہ اچانک چوروں کی بس ایک طرف سے آتی دکھائی دی۔ پولیس چیف کے اشارے پر تمام سپاہی تیار ہو گئے۔ بس کی ہیڈ لائٹیں کوٹھی کے مین گیٹ پر پڑیں تو چوکیدار ایک دم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور لوہے کے بڑے دروازے کو کھول دیا۔ بس حویلی کے صحن کے اندر داخل ہو گئی۔

چوروں نے مل کر مُورتی کا بکس بس کے خفیہ خانے میں سے نکالا اور پھر پروفیسر کے پیچھے کوٹھی کے اندر داخل ہو کر تہ خانے کی سیڑھیاں اُترنے لگے۔ تہ خانہ کیا

تھا، ایک بڑا سا ہال تھا جہاں مختلف قسم کی مُورتیاں، عجیب و غریب برتن اور شاہانہ لباسوں کے علاوہ وُہ پانچ مُورتیاں بھی رکھی تھیں جو سری لنکا کے میوزیم سے چوری ہوئی تھیں۔ پروفیسر کی موجودگی میں صندوق کھولا گیا، جس میں سے مہاتما بُدھ کی سونے کی چمکتی ہوئی قدِ آدم مُورتی برآمد ہوئی۔

پروفیسر نے اِطمینان کرنے کے بعد اپنا بریف کیس کھولا جو نوٹوں سے بھرا ہُوا تھا۔ عین اُس وقت تہ خانے کی پتھریلی سیڑھیوں پر بھاری جُوتوں کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔ یہ پولیس کے سپاہی تھے۔ پولیس چیف نے ریوالور ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ سپاہی بندوقوں سے مُسلّح تھے۔ اب چوروں کے لیے بھاگنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ پولیس چیف نے پروفیسر کو مُخاطب کرتے ہوئے کہا:

"کھیل ختم ہو گیا ہے، پروفیسر۔ حیرت ہے کہ اِس مُلک کا اِتنا اہم اور ذمّے دار آدمی یہ گُل کِھلا رہا ہے۔"

پھر اِس سے پہلے کہ چوروں اور پروفیسر کی گرفتاری عمل میں آتی، وہاں پر موجود سب لوگوں پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایک کونے سے دوسرا پروفیسر جلال امین نکل کر سامنے آگیا۔ سب لوگ حیرت سے کبھی بریف کیس والے پروفیسر کو

دیکھتے اور کبھی کونے میں کھڑے پروفیسر کو۔ پولیس چیف نے پوچھا " یہ سب کیا ہے؟ تم میں سے اصل پروفیسر کون ہے؟"

اُسی وقت بریف کیس والے پروفیسر نے اپنے چہرے سے میک اَپ اُتار دیا۔ اب اُن کے سامنے پاکستان کا نام وَر سُراغ رساں شہاب زیدی کھڑا تھا۔ شہاب صاحب نے پولیس چیف کو مُخاطب کر کے کہا " سر! میرے محسن پروفیسر جلال الدین کی شخصیت ہر قسم کے جرائم سے پاک ہے۔ میں اِن کا شکر گزار ہوں کہ اِنھوں نے میری بھرپُور مدد کی اور اپنے میوزیم سے یہ تمام نوادرات یہاں لانے کی اِجازت دی۔"

پولیس چیف نے پروفیسر سے کہا " میں نے جو نازیبا الفاظ آپ کی شان میں کہے ہیں، اُس کے لیے مُعافی چاہتا ہُوں۔" اور پھر اُس نے شہاب صاحب سے سوال کیا کہ آخر آپ نے اِس گروہ کو کیسے جال میں پھنسایا؟

شہاب زیدی نے جواب دیا "میں بہت پہلے سے روباسہ میں اِن کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ روباسہ میں میرے دونوں بیٹوں کی وجہ سے گروہ

کے چند افراد کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ لیکن مس ایلس، جو اِس گروہ کی سرگرم رُکن ہے، فرار ہونے میں کام یاب ہو گئی۔ سری لنکا کے میوزیم سے خفّاش پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔ میں نے روباسہ کے آس پاس ایلس کی تلاش جاری رکھی اور پھر خوش قسمتی سے ایک مصری سوداگر کے گھر میری اُس سے مُلاقات ہو گئی۔ ایلس مجھ سے واقِف نہ تھی۔ لیکن میں اُسے جانتا تھا۔ میں سائے کی طرح اُس کے آس پاس رہا اور پھر ایک سوداگر کی معرفت اُس کی دعوت، پروفیسر کے میک اَپ میں، پروفیسر کی کوٹھی میں کی، اور —— یہ تمام اشیا جو میں نے قاہِرہ کے میوزیم سے پروفیسر کی اِجازت سے یہاں سجا دی تھیں، اُسے دکھائیں اور اپنے آپ کو تاریخی اور قیمتی چیزوں کا بہت بڑا اِسمگلر ظاہر کیا۔ میرے پھیلائے ہُوئے جال میں ایلس پھنس گئی۔ دو تین مُلاقاتوں میں ہی اُس نے مہاتما بُدھ کی سُنہری مُورتی کا سودا مجھ سے کر لیا۔ اُسی کی معرفت میں گروہ کے دُوسرے افراد خفّاش، ہِشّام اور مصنُوعی چہرے بنانے والے اُس دُکان دار سے مِلا اور آخر کار اِس گروہ کو لکسر سے قاہرہ لانے میں کام یاب ہو گیا۔ اِس دوران

میں اپنے دونوں بیٹوں کی کارگزاری پر بھی نگاہ رکھی جو اِس گروہ میں جا پھنسے تھے۔

سب پولیس والوں اور اصل پروفیسر نے تالیاں بجاکر شہاب زیدی کی خدمات کو سراہا۔

شہاب زیدی نے خفّاش کو مُخاطب کرکے کہا "اب جب کہ تم اور تمھارا گروہ پولیس کی حراست میں آچکا ہے، کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم لوگوں نے اِس مُورتی کو کس طرح حاصل کیا؟"

خفّاش نے کہا "جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، سری لنکا کے میوزیم میں جتنی بھی چوریاں ہوئیں، اُن میں میرا اور ایلس کا ہاتھ تھا۔ ہماری واردات کا طریقہ بڑا ہی سائنٹی فِک تھا۔ اِس لیے سری لنکا کی پولیس کو ہم دونوں پر ذرا بھی شک نہ ہُوا۔ اِس مُورتی کے مُتعلّق تمام افواہیں ہماری ہی پھیلائی ہوئی تھیں اور ہم نے سری لنکا کے بُدھ عوام کے مذہبی جذبات سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا۔ جس بڑھئی سے مسٹر جون نے مُورتی کے لیے یہ بکس تیّار کروایا تھا، وہ ہمارا ہی آدمی تھا۔ اُس نے ایک ہی طرح کے دو بکس تیّار کیے تھے۔ ایک میوزیم میں تھا اور دوسرا ہمارے

پاس تھا۔ مسٹر جون اور جمال انور کو کافی میں زہر بھی ہماری سوچی سمجھی اِسکیم کے تحت دیا گیا تھا۔ ہم اِن دونوں کو صرف ایک دن کے لیے میوزیم سے ہٹانا چاہتے تھے۔ میوزیم کے اِنچارج سدھارت پہلے ہی وہاں سے چلے گئے تھے۔ اُسی رات میں نے، عامر اور عمّار کی توجّہ مُورتی کے بکس سے ہٹانے کے لیے، مُورتی کا ماسک پہن کر ڈراما کیا اور اِنھیں پیچھے لگا کر مُورتی والے کمرے سے باہر لے گیا۔ عمّار پہلے ہی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ میں مُورتی کا بھیس بدل کر عامر سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا اور میری ساتھی ایلس اپنے آدمیوں کی مدد سے ویسا ہی پتّرے چڑھا خالی بکس وہاں رکھ کر اصلی مُورتی کے بکس کو نکال کر لے گئی۔ اِس میں قسمت نے بھی ہمارا ساتھ دیا۔"

"وہ کیسے؟" شہاب زیدی نے پُوچھا۔

"اِتّفاق سے مِسٹر عامر میرا پیچھا کرتے ہُوئے ایک ایسے مجسّمے سے ٹکرا گئے جس کا ایک بازُو ٹُوٹا ہُوا تھا، اور اُسے ویسے ہی اُس کے جسم سے اٹکا رکھا تھا۔ اِن کے ٹکراتے ہی بازُو اِن کے سر پر آگرا اور یہ بے ہوش ہو گئے۔ اتنا وقفہ ہمیں مُورتی والا بکس

لے جانے کے لیے کافی تھا۔"

عمّار نے سوال کیا "میرا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے کہ تم اپنا بکس بھی اُسی جہاز سے لے کر مصر پہنچے ہو جس سے ہم سفر کر رہے تھے؟"

"آپ کا خیال دُرست ہے۔ میں نے اور میرے ساتھی ہشام نے اُس جہاز پر اپنے ساتھ ایک نئی بس مصر کے لیے بُک کروائی تھی جو اب بھی باہر صحن میں موجُود ہے۔ اِس بس کا فرش دوہرا ہے۔ یعنی اُوپر والے فرش اور نیچے والے حِصّے کے درمیان ایک خلا ہے۔ اِسی خلا میں مُورتی والے بکس کو چھُپایا گیا تھا۔"

شہاب زیدی نے کہا "اب آخری اور اصلی بات بھی پولیس کو بتا ہی دو۔ تم نے اِس مُورتی کی قیمت کروڑوں پونڈ کیوں مقرّر کی ہے؟"

اِس بار ایلس نے جواب دیا "سودا کرتے وقت یہ بات میں آپ کو بتا چُکی ہُوں۔ پھر پوچھنے کا مقصد؟"

شہاب صاحِب نے جواب دیا "اِس لیے کہ یہ بات بھی پولیس ریکارڈ میں آ جانی چاہیئے، اور پروفیسر جلال امین کو بھی پتا ہونا چاہیے۔"

ایلیس نے جواب دیا "دراصل اِس مُورتی کے سر میں مہاتما بُدھ کی چِتا کی راکھ بھری ہُوئی ہے، جس کے متعلّق بُدھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اِس کو پانی میں گھول کر پینے سے مُردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ لوگ اس مُورتی کو حاصل کرنے کے لیے سینکڑوں سال سے جدّو جہد کر رہے ہیں۔ ہمیں بھی اِس کا عِلم ایک پُرانی کتاب سے ہُوا۔ اِس راکھ کی ایک چُٹکی کی قیمت چین جاپان، تبّت، نیپال اور ایسے تمام ممالک میں کروڑوں روپے ہے جو مہاتما بُدھ کے پیروکار ہیں"۔

اُسی رات قاہِرہ کے حُکّام کی طرف سے شہاب زیدی اور اُن کے فرزندوں کے اِعزاز میں پُر تکلّف دعوت دی گئی اور اُنھیں دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ روباسہ کی حکومت نے حکومتِ پاکستان کا شُکریہ ادا کیا، جہاں کی بغاوت شہاب زیدی، عامِر اور عمّار کی وجہ سے ناکام ہوئی تھی۔ شہاب صاحِب نے پانچوں مُورتیاں سری لنکا کے سفیر کے سپُرد کر دیں اور خود اپنے بیٹوں کے ساتھ پاکستان روانہ ہو گئے۔

مطبُوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسّلام پرنٹر اور پبلشر

عامر اور عمار کے کارنامے

جاسوسی کی دنیا میں ہل چل مچا دینے والا
نہایت دل چسپ اور سنسنی خیز
ناولوں کا نیا سلسلہ

اب تک پہلے کے چار ناول شائع ہو چکے ہیں

- سنہری عقاب
- زندہ لاش
- سونے کا بت
- سرخ شعلہ

6 ناول

عنقریب چھپنے والے ہیں

فیروز سنز
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

969 0 00722 X

Rs. 12.00